ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت
26
www.tanzeem.org
تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام
مسلسل اشاعت کا
33واں سال
تنظیم اسلامی کا ترجمان
2 تا 8 محرم الحرام 1446ھ/ 9 تا 15 جولائی 2024ء

ظاہر و باطن کی یکسانیت

انسان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو۔ ایک طرف اس کا سینہ ایمان و یقین سے اور اس کا دل لازوال محبت سے معمور ہو اور دوسری طرف اس کی زبان اس کے دل کی ہمنوا اور اس کا عمل ان جذبات و کیفیات کی تصدیق کر رہا ہو۔ اگر یہ بات کسی انسان کو حاصل ہو جائے تو اس کے ہر قول و عمل اور اس کی ہر تقریر و تحریر میں ایک ایسی کشش اور دل آویزی پیدا ہو جائے گی جس کی تعبیر الفاظ سے نہیں کی جا سکے گی، لیکن اس کی مٹھاس ہر شخص محسوس کرے گا اور اسے ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے کسی نے اس کے دل کی بات کہہ دی ہے یا اس کی گم شدہ دولت اس کو واپس مل گئی ہے۔

اغراض کی اس دنیا میں، جہاں لوگ صرف مصلحت شناسی اور لین دین کے مفہوم سے آشنا ہیں، یہ صدا ضرور نامانوس ہے لیکن اب بھی اس میں دلوں کو فتح کرنے اور اقوامِ عالم کو مسخر کرنے کی پوری طاقت موجود ہے۔ مادیت کے کچلے ہوئے اور اغراض و خواہشات کے بوجھ تلے دبے ہوئے انسانوں کے لیے اگر اب بھی کوئی شے دل آویزی اور قیمت رکھتی ہے تو وہ یہی ایمان و یقین کی طاقت اور ظاہر و باطن کی یکسانیت ہے۔

مولانا محمد الحسنی ؒ

غزہ پر اسرائیل کی وحشیانہ بمباری کو 276 دن گزر چکے ہیں!
کل شہادتیں: 38540 سے زائد، جن میں بچے: 16000،
عورتیں: 12000 (تقریباً)۔ زخمی: 90000 سے زائد

اس شمارے میں

عزمِ استحکام ...... مگر کیسے؟
شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کا اصل سبق
عدلیہ: چیف جسٹس عبد الرشید سے 13 جنوری کے فیصلہ تک
پاکستان کے خاندانی نظام پر حملہ اور آپریشن عزمِ استحکام
مسلمان بھی کیا ہیں ہم!
سفید فام مہذب دنیا کا سیاہ بھیانک چہرہ

الھدیٰ
ڈاکٹر اسرار احمدؒ 1091

فرعون کا تکبر اور ہلاکت

سُورۃُ القَصَص | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیات:39 تا 42

وَ اسۡتَکۡبَرَ ہُوَ وَ جُنُوۡدُہٗ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّہُمۡ اِلَیۡنَا لَا یُرۡجَعُوۡنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذۡنٰہُ وَ جُنُوۡدَہٗ فَنَبَذۡنٰہُمۡ
فِی الۡیَمِّ ۚ فَانۡظُرۡ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۴۰﴾ وَ جَعَلۡنٰہُمۡ اَئِمَّۃً یَّدۡعُوۡنَ اِلَی النَّارِ ۚ وَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ
لَا یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۱﴾ وَ اَتۡبَعۡنٰہُمۡ فِیۡ ہٰذِہِ الدُّنۡیَا لَعۡنَۃً ۚ وَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ہُمۡ مِّنَ الۡمَقۡبُوۡحِیۡنَ ﴿۴۲﴾

آیت:۳۹ ﴿وَاسۡتَکۡبَرَ ہُوَ وَجُنُوۡدُہٗ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ وَظَنُّوۡۤا اَنَّہُمۡ اِلَیۡنَا لَا یُرۡجَعُوۡنَ ﴿۳۹﴾﴾ ’’اور زمین میں ناحق تکبر کیا اُس نے بھی اور اُس کے لشکروں نے بھی‘ اور انہوں نے سمجھا کہ وہ ہماری طرف لوٹائے نہیں جائیں گے۔‘‘

آیت:۴۰ ﴿فَاَخَذۡنٰہُ وَجُنُوۡدَہٗ فَنَبَذۡنٰہُمۡ فِی الۡیَمِّ ۚ﴾ ’’اور ہم نے پکڑ لیا اُس کو بھی اور اس کے لشکروں کو بھی‘ پھر ہم نے پھینک دیا انہیں سمندر میں۔‘‘

﴿فَانۡظُرۡ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۴۰﴾﴾ ’’تو دیکھ لو‘ کیا انجام ہوا ظالموں کا!‘‘

آیت:۴۱ ﴿وَجَعَلۡنٰہُمۡ اَئِمَّۃً یَّدۡعُوۡنَ اِلَی النَّارِ ۚ﴾ ’’اور ہم نے بنا دیا انہیں امام‘ آگ کی طرف بلانے والے۔‘‘

یعنی فرعون اور اس کے درباری لوگوں کو جہنّم کی طرف بلانے والے گروہ کے پیشوا بن گئے۔

﴿وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ لَا یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۱﴾﴾ ’’اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔‘‘

آیت:۴۲ ﴿وَاَتۡبَعۡنٰہُمۡ فِیۡ ہٰذِہِ الدُّنۡیَا لَعۡنَۃً ۚ﴾ ’’اور ہم نے اُن کے پیچھے لعنت لگا دی اس دنیا میں بھی۔‘‘

یہ لعنت رہتی دنیا تک ہر دور میں ان کا پیچھا کرتی رہے گی۔

﴿وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ہُمۡ مِّنَ الۡمَقۡبُوۡحِیۡنَ ﴿۴۲﴾﴾ ’’اور قیامت کے دن وہ بہت ہی بُرے حال والوں میں سے ہوں گے۔‘‘

قیامت کے دن وہ بڑی قباحت میں مبتلا ہوں گے۔ وہ ذلیل و خوار اور مردود و مطرود ہوں گے‘ اللہ کی رحمت سے بالکل محروم کر دیے جائیں گے‘ ان کی بڑی گت بنائی جائے گی اور ان کے چہرے بگاڑ دیے جائیں گے۔ لفظ ’’مَقۡبُوۡحِیۡن‘‘ میں یہ سارے معانی موجود ہیں۔

درس حدیث

اللہ کی دشمنی کس سے ہے؟

عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ: ((اَبۡغَضُ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ ثَلَاثَۃٌ: مُلۡحِدٌ فِی الۡحَرَمِ وَمُبۡتَغٍ فِی الۡاِسۡلَامِ سُنَّۃَ الۡجَاہِلِیَّۃِ وَمُطَّلِبُ دَمِ امۡرِئٍ بِغَیۡرِ حَقٍّ لِیُھَرِیۡقَ دَمَہٗ)) (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں (مسلمانوں) میں سب سے زیادہ مبغوض تین طرح کے لوگ ہیں: ایک حرم میں زیادتی کرنے والا، دوسرا جو اسلام میں جاہلیت کی رسموں پر چلنے کا خواہش مند ہو، تیسرے وہ شخص جو کسی آدمی کا ناحق خون کرنے کے لیے اس کے پیچھے لگے۔‘‘

ہفت روزہ

لاہور

ندائے خلافت

تا خلافت کی بنا دُنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

2 تا 8 محرم الحرام 1446ھ جلد 33
9 تا 15 جولائی 2024ء شمارہ 26

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: خورشید انجم
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی

”دارالاسلام“ ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون:78-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت:36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔54700
فون:03-35869501 فیکس: 35834000
nk@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 20 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......800 روپے
بیرون پاکستان
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (21,000 روپے)
انڈیا، یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (16000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
”مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن“ کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org

”ادارہ“ کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
خورشید انجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزمِ استحکام......مگر کیسے؟

ہمارا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ بیس برس قبل ایک ڈکٹیٹر نے امریکہ کی جنگ کا حصہ بن کر ملک کو تباہی کے دہانے لا کھڑا کیا۔ ایک طویل عرصہ تک امریکہ کے فرنٹ لائن اتحادی بنے رہنے کے باعث ملک میں نفرتیں بڑھیں اور اتنی بڑھیں کہ پاکستان کو تقریباً دو دہائیوں تک بدترین دہشت گردی کا سامنا کرنا پڑا۔ ان دو دہائیوں میں 80 ہزار سے زیادہ جانوں کا نذرانہ پیش کیا گیا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ملکی معیشت کو 120 ارب ڈالر کا نقصان ہوا۔ بھارت، اسرائیل اور امریکہ کے ابلیسی اتحادِ ثلاثہ نے ملک میں جنم لینے والی نفرتوں سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ افغانستان میں امریکہ کی نصب کردہ کٹھ پتلی حکومتوں نے بھارت کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور پاکستان کی سرحد کے قرب وجوار میں 17 بھارتی قونصل خانے کھولے گئے جو درحقیقت دہشت گردوں کی نرسریاں تھیں۔ وہاں دہشت گردوں کو تربیت دی جاتی، اُنہیں اسلحہ فراہم کیا جاتا، روپیہ دیا جاتا اور پھر دہشت پھیلانے کے لیے سرحد پار روانہ کر دیا جاتا۔ کئی دیگر ممالک کی سرزمین بھی استعمال کی گئی۔ کلبھوشن یادیو جو متعدد بار ایران کے راستے پاکستان داخل ہوا اُس کی زندہ مثال ہے۔

بہرحال صورتِ حال انتہائی دگرگوں تھی۔ اُس دور میں عسکری اداروں کو نشانہ بنایا گیا، فوجیوں کو شہید کیا گیا اور بڑی تعداد میں عام شہری بھی شہید ہوئے۔ بہرحال 2013ء کے بعد دو فوجی آپریشن کیے گئے جس سے دہشت گردی کا خاتمہ تو نہ ہوا لیکن لاکھوں کی تعداد میں عوام بے گھر ہو گئے اور نفرتیں بڑھتی گئیں۔ جب امریکہ کے خوف سے آپریشن کیے گئے تو نقصان ہی ہوا۔ آج چین کو خوش کرنے کے لیے کارروائیاں کیسے ملکی مفاد میں ہو سکتی ہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ دہشت گردی ایک ناسور ہے جس نے وطن عزیز کو بے پناہ نقصان پہنچایا ہے۔ دہشت گردی کے عفریت کا دوبارہ سر اُٹھانا انتہائی تشویش ناک ہے اور دہشت گردی کا خاتمہ ملک کے امن و امان اور ترقی وخوشحالی کے لیے ناگزیر ہے لیکن کبھی فوجی آپریشنوں سے بھی دلوں اور دماغوں (Hearts and Minds) کو مسخر کرنے کی جنگ جیتی گئی ہے؟ کیا اس طرف بھی کوئی توجہ دینے کو تیار ہے کہ مشرف دور سے قبل پاکستان میں دہشت گردی نہ ہونے کے برابر تھی۔ ماضی کے فوجی آپریشنز میں بھی اصل اور بڑا نقصان ملک کے پُرامن شہریوں کا ہی ہوا۔ وہ نفرتیں، جو ڈمہ ڈولہ میں مدرسہ کے 80 حفاظ طلبہ کو ڈرون حملہ میں شہید کیے جانے، سانحہ لال مسجد اور ان جیسے دیگر اندوہناک واقعات کے باعث پیدا ہوئیں، اُنہیں بارود کے استعمال سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہ کہ آپریشن کی آڑ میں امارت اسلامیہ افغانستان کی سرزمین کو نشانہ بنانا ملکی سلامتی کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اِس سے پاکستان کی مشرقی سرحد کے ساتھ ساتھ مغربی سرحد بھی غیر محفوظ ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ دہائی کے دوران دو فوجی آپریشنز کے باعث خیبر پختونخوا میں لاکھوں کی تعداد میں افراد بے گھر ہوئے اور بڑی تعداد میں آبادیاں صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئیں۔

ہمارے نزدیک بڑی طاقتوں کی غیر مشروط تابعداری کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ملک کا رُواں رُواں سود کے جال میں جکڑا ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سودی قرضہ ایک ایسا طوق ہے جو انسان اور ریاست دونوں کو اصولوں اور بڑے مقاصد سے بے پروا کر کے محض چند لقمے حاصل کرنے کے لیے درندوں کی سطح پر جا گراتا ہے۔ اپنوں، بے گانوں اور دوست دشمن کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ کیا یہ کسی المیہ سے کم ہے کہ امسال ملک کے سالانہ بجٹ کا 60 فیصد صرف قرضوں پر سود کی ادائیگی پر خرچ ہوگا۔ آئی ایم ایف کے اعداد وشمار کے مطابق اگلے دو برس میں 73 ارب ڈالر واپس کرنے ہیں۔ ایسے میں سخت ترین شرائط پر مزید سودی قرضہ حاصل کرنے کی سعی کرنا قومی خودکشی

سے کم نہیں۔ آئی ایم ایف امریکی استعمار کا ادارہ ہے اور اسے استعمال کر کے ممالک کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ملکی مفاد کو تج کر کے امریکی مفاد کے مطابق فیصلے کریں۔ اپنے ہی ملک کے لوگوں کے خلاف محاذ کھول دیں۔

لہٰذا اصل سوال یہ ہے کہ اس حالت میں جبکہ پاکستانیوں کا بال بال قرضہ میں پھنسا ہوا ہے کیا کیا جائے؟ ہمارے نزدیک کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ اس ناپاک قرضہ سے جس کا ہم سود بھی ادا کر رہے ہیں اُس سے فوری چھٹکارا حاصل کریں۔ ہمیں ہمالائی ہمت کا مظاہرہ کرنا ہوگا اور ایک بڑا رسک لینا ہوگا۔ وہ یہ کہ اپنے قرض خواہان سے کہہ دیں کہ جہاں تک سود کا تعلق ہے وہ ہماری شریعت میں حرام ہے اور اب ہمارے ملک کی ایک بڑی اور اہم عدالت کا فیصلہ بھی سود کے خلاف آ چکا ہے لہٰذا سود تو ہم ادا نہیں کریں گے البتہ اصل زر جب بھی اور جیسے ہی ممکن ہوا ادا کر دیا جائے گا۔ ہم جانتے ہیں دنیا میں کوئی اس کو تسلیم نہیں کرے گا اور ہمیں ڈیفالٹر قرار دے کر ہمارے خلاف عالمی سطح پر اقدامات کیے جائیں گے لیکن وہ آج نہیں تو کل ہونا ہی ہے۔ کیا عالمی مہاجن کے پاؤں پڑنے سے وہ ہمیں معاف کر دیں گے؟ وہ ہرگز ایسا نہیں کریں گے جبکہ اُس وقت ہم اپنا سب کچھ اُن کی خدمت میں پیش بھی کر چکے ہوں گے۔ لہٰذا ملکی مفاد میں فیصلے کیے جائیں اور عالمی سپر طاقتوں کے اشاروں پر ناچنا بند کیا جائے۔ اُن کی گریٹ گیم کا حصہ نہ بنا جائے۔

چنانچہ اب بھی وقت ہے پانی ابھی سر سے نہیں گزرا۔ اس وقت ضرورت زخموں پر مرہم رکھنے کی ہے۔ ایک حقیقی Truth and Reconciliation کمیشن تشکیل دیا جائے۔ ہر فرد، ہر ادارہ اپنی طرف سے کی گئی زیادتیوں کو تسلیم کرے اور اُس پر معافی مانگے، مظلوموں کے لیے تلافی کا بندوبست کیا جائے، آئندہ ملکی مفاد میں سب کو ساتھ لے کر چلنے کا عزم کیا جائے۔ اس بات کو سمجھا جائے کہ امریکہ، بھارت اور اسرائیل ہمارے ازلی دشمن ہیں۔ وہ پاکستان کی نظریاتی اساس کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت اُن کو بری طرح کھٹکتی ہے۔ اُن کی شدید خواہش ہے کہ پاکستان میں افراتفری پھیلے۔ ان کے ایجنٹ ملک میں دہشت گردی کو ہوا دیتے ہیں لیکن ہمیں بھی اصل دشمن کی پہچان کر کے اُسے تنہا کرنا ہے۔

ہمارا ناصحانہ مشورہ ہے کہ تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے مذاکرات کا راستہ اپنایا جائے۔ حکومت اور ریاستی اداروں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ریاست کی رٹ قائم کرنے کے لیے طاقت کا بے دریغ استعمال کبھی فائدہ مند نہیں ہوتا۔ صرف جرم میں ملوث افراد کے خلاف آئین و قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے کارروائی کی جائے۔ اپنے دوستوں کو بھی پہچاننا ہے اور ناراض لوگوں کو بھی دوبارہ ساتھ ملانا ہے تاکہ امن و خوشحالی کی طرف سفر دوبارہ شروع کیا جاسکے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان نظریۂ اسلام کی بنیاد پر قائم کیا گیا تھا اور اس میں بسنے والے تمام لوگوں اور جغرافیائی اکائیوں کو جوڑنے والی واحد قوت آج بھی اسلام ہی ہے۔ لہٰذا نفرتوں کو ختم کرنے اور ملک میں امن و امان کی صورتحال کو بحال کرنے کے لیے ناگزیر ہے کہ پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی ریاست بنایا جائے۔

اور اب آئیں مدین (سوات) میں ہونے والے ایک اور دل خراش واقعہ کی طرف جہاں 18 جون 2024ء کو سلمان نامی شخص کو مبینہ طور پر قرآن مجید کے اوراق جلانے کے الزام میں زندہ جلا دیا گیا۔ حالانکہ ہوٹل میں مقیم اس شخص کے کمرے سے پولیس کو کوئی ایسی شہادت نہیں ملی۔ ہمیں یہاں اس واقعہ کی تفصیل بیان کرنا مقصود نہیں۔ یقیناً حکومت کا فرض ہے کہ اس واقعہ کی مکمل اور شفاف تحقیقات کر کے تمام مجرموں کو قرار واقعی سزا دے۔ البتہ ہم اس واقعہ کے نتائج و عواقب کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنا بھی مناسب سمجھتے ہیں۔

اس واقعہ کا ایک خوفناک پہلو تو یہ ہے کہ شاید یہ ہمارا قومی مزاج بن چکا ہے کہ آپ اگر کسی شخص کو پسند نہیں کرتے یا آپ کا کسی سے جھگڑا ہے اور اس سے انتقام لینا چاہتے ہیں تو بس صرف ایک آواز لگا دیں کہ اس شخص نے قرآن مجید کی توہین کی ہے، اس کے اوراق جلائے ہیں، اس نے نبی اکرم ﷺ کی توہین کی ہے۔ ایک مجمع اکٹھا ہو جائے گا۔ تھانے پر حملہ ہوگا۔ پولیس سے اس شخص کو چھڑا کر آگ لگا دی جائے گی۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایسے واقعات پے در پے کیوں وقوع پذیر ہونے شروع ہو گئے ہیں؟

اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ آج تک مرتکبین توہین رسالت اور مرتکبین توہین قرآن کو قرار واقعی سزا نہیں ملی۔ ایسے پچھلے تمام واقعات کی تاریخ دیکھ لیں۔ یا تو گورنر صاحب نے بذات خود جیل جا کر رہا کرایا اور بیرون ملک بھجوا دیا گیا یا پھر کئی سال عدالتوں میں کیس لٹکا رہا اور سال ہا سال بعد جب لوگ اس واقعہ کو بھول گئے تو یہ مرتکبین بھی بری ہو کر بیرون ملک چلے گئے۔

اگر ابتدا ہی میں ایسے واقعات کو سنجیدگی سے لیا جاتا، تحقیق و تفتیش کا حق ادا کیا جاتا اور عدالتوں میں بھی بڑی تیزی کے ساتھ سماعت کر کے مرتکبین کو عبرت ناک سزا دی جاتی تو لوگ قانون کو ہاتھ میں نہ لیتے۔ اگر حکمرانوں کی نیت میں فتور نہ ہوتا، بیرونی آقاؤں کی خوشنودی کی خاطر ان کی ڈکٹیشن قبول نہ کی جاتی تو معاملات کو سنبھالنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ روز بروز عوام کی بے چینی، ڈپریشن اور فرسٹریشن میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جس کی وجہ آئے دن پٹرول اور بجلی کی بڑھتی ہوئی قیمتیں اور اشیائے ضروریہ کا لوگوں کی پہنچ سے باہر ہونا ہے۔ لوگوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ وہ مختلف طریقوں سے اپنا غصہ نکالنا چاہتے ہیں۔ جب معاشرے میں ظلم کی انتہا ہو جائے اور لوگوں کے لیے دو وقت کی روٹی کا حصول بھی مشکل ہو جائے تو پھر معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ امام الہند شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ”جس معاشرے میں تقسیم دولت کا نظام بگڑ جائے تو وہ دو دھاری تلوار بن جاتا ہے اور اس میں دو طرح کے طبقات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک مال مست اور دوسرا حال مست بن جاتا ہے۔“ آج ہمارے معاشرے میں بھی بیس فیصد اشرافیہ ملک کے اسّی فیصد وسائل پر قابض ہے۔ جبکہ اسّی فیصد عوام کو بمشکل بیس فیصد وسائل میسر ہیں۔

یاد رکھیں! جب ظلم کی انتہا ہو جاتی ہے اور اس سے نکلنے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا تو پھر اس کی مثال اس دریا کی سی ہوتی ہے جس کے پانی کو روکنے کی کوشش کی جائے تو وہ تمام بند توڑ کر اپنا راستہ بنا لیتا ہے اور پھر راستے میں آنے والی ہر شے کو بہا کر لے جاتا ہے۔

حکمران اگر اب بھی ہوش کے ناخن لے لیں، اپنا قبلہ وائٹ ہاؤس کے بجائے بیت اللہ کو بنا لیں تو ہوسکتا ہے اللہ کو اس قوم پر رحم آجائے اور یہ گھر سلامت رہ جائے۔ اگر حکمران اب بھی سنجیدہ نہ ہوئے اور عوام کے بنیادی مسائل کا کوئی فوری حل نہیں نکالا گیا تو کچھ بعید نہیں کہ غصے اور انتقام کا یہ لاوا جو اندر ہی اندر سلگ رہا ہے، وہ کہیں سب کچھ بہا کر نہ لے جائے۔ پھر عوام کا جو حال ہوگا سو ہوگا، اشرافیہ اور مقتدر طبقات بھی اپنے مال و اسباب سمیت تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں اور مقتدر طبقات کو ہوش کے ناخن لینے اور صحیح فیصلے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کا اصل سبق

حافظ عاکف سعید

10 محرم الحرام کو ہماری تاریخ میں ایک بہت بڑا سانحہ پیش آیا، جسے واقعہ کربلا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ سانحہ کربلا کے میدان میں حضرت حسینؓ اور اُن کے اعزہ واقارب کی المناک شہادت کا سانحہ ہے۔ اس ضمن میں پہلی بات یہ ہے کہ شہادت سے مراد کیا ہے؟ اور اللہ کی راہ میں جان دینے کا کیا مقام و مرتبہ ہے؟ آیئے سورۃ البقرہ کی روشنی میں سمجھیں۔ فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ (153)

’’اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد لیا کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔‘‘

یہاں اہل ایمان کو دو چیزوں سے مدد لینے کا حکم دیا گیا ہے،۔ ایک صبر ہے اور دوسری نماز۔ یعنی ان دو چیزوں کے اہتمام سے مومنوں کو تقویت اور تائید ملے گی۔ اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مدد اور سپورٹ کس کام میں درکار ہے؟ اس کا جواب بھی واضح ہے۔ امت مسلمہ ایک عظیم مشن کے لیے برپا کی گئی ہے۔ یہ شہادت حق کا مشن ہے۔ اس کو آگے بڑھانے کے لیے مدد اور تقویت درکار ہے۔ یہ تقویت صبر اور نماز سے حاصل ہوگی۔ امت مسلمہ کے اس عظیم مشن کا تذکرہ مذکورہ آیت سے چند آیات پہلے (سترہویں رکوع میں) آیا ہے، جہاں سابقہ اُمت مسلمہ بنی اسرائیل کو اُس کے کرتوتوں اور جرائم کے سبب اللہ کی نمائندگی کے منصب سے معزول کرنے کے بعد اس منصب پر اُمت محمدیہ کو فائز کرنے کا اعلان ہوا۔ فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (البقرہ:143)

’’اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے، تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماں ﷺ) تم پر گواہ بنیں۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا کہ اُمت مسلمہ کا مشن شہادت علی الناس ہے۔ اللہ نے ہمیں اُمت وسط بنایا، اس لیے تاکہ ہم دنیا والوں پر گواہ بنیں اور رسول ہم پر گواہ ہوں۔ شہادت کے اصل معنی گواہی کے ہیں۔ اسی معنی میں یہ لفظ اردو زبان میں استعمال ہوتا ہے۔ اُمت محمدیہ کے اُمت وسط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اُمت اللہ اور اُس کی مخلوق کے درمیان واسطہ کا کام دے گی۔ نبوت ورسالت کا دروازہ اب ابدالآباد تک بند کر دیا گیا ہے۔ اب رہتی دنیا تک نوع انسانی تک اللہ کا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری اس امت کے کندھوں پر ہے۔ افرادِ اُمت کا کام ہے کہ شہادت کی یہ ذمہ داری ادا کریں اور دنیا والوں تک اسلام کا پیغام پہنچائیں۔ ’’شہید‘‘ کے معنی گواہی دینے والے کے ہیں۔ یہ لفظ اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے والے شخص کے لیے بھی آتا ہے۔ تو اس کی بھی اپنے اصل معنی سے گہری مناسبت ہے۔ دیکھیے، شہادت اور گواہی کے کئی مدارج ہیں۔ ابتدائی درجہ تو یہی ہے کہ زبان سے دین کی دعوت دی جائے۔ اس کی تبلیغ کی جائے۔ قلم سے اس کی نشر واشاعت کی جائے۔ یہ قولی گواہی ہے۔ گواہی کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ دین کو بالفعل قائم کر کے دنیا کے سامنے اس کے نظام عدل وقسط کا نقشہ پیش کر دیا جائے۔ ظاہر ہے یہ کام آسان نہیں۔ اس کام میں باطل کے ساتھ براہِ راست تصادم ہوتا ہے اور جانیں نچھاور کرنی پڑتی ہیں اور خون کا نذرانہ دینا پڑتا ہے۔ تو جو شخص اللہ کے دین کے غلبہ یا اُس کی بقا کی جدوجہد میں قتل ہو جائے وہ شہادت کے بلند ترین درجے پر فائز ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ دین حق کی گواہی دیتے ہوئے اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے جو اُس کی عزیز ترین متاع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بھی شہادت کی بڑی آرزو تھی۔ آپ فرماتے تھے: میری یہ آرزو ہے کہ اللہ کی راہ میں (لڑتے ہوئے) قتل ہو جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل ہو جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل ہو جاؤں۔ لیکن چونکہ رسول اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے، لہٰذا اللہ نے اُس کے حق میں یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ وہ مغلوب نہیں ہو سکتا۔ حالات کتنے بھی کٹھن کیوں نہ ہوں، آخری غلبہ اور کامرانی اُسی کو عطا ہوتی ہے۔

رسول اپنے قول اور عمل دونوں سے دین کی گواہی بتمام وکمال دیتا ہے۔ چنانچہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے دین کی دعوت وتبلیغ کا فریضہ بھی انجام دیا اور جزیرہ نما عرب کی حد تک اللہ کے دین کو بالفعل غالب کر کے عملی شہادت کا حق بھی ادا فرما دیا۔ شہادت حق ایک نہایت کٹھن ذمہ داری ہے۔ لہٰذا اس کی ادائیگی کی جدوجہد میں صبر اور نماز سے مدد حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اہل ایمان کو بتایا گیا کہ تم صبر ومصابرت ہی سے اس راہ میں پیش آنے والی تکالیف اور مصائب کا مقابلہ کر سکو گے، اور نماز ہی سے تمہارے ایمان کی بیٹری چارج ہوگی اور تمہیں روحانی قوت حاصل ہوگی۔ اللہ کے رسول ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ نے اس عظیم فریضے کو ادا کرتے ہوئے بے پناہ صعوبتیں برداشت کیں، سختیاں جھیلیں اور ہر قسم کی مشکلات کا سامنا کیا، لیکن استقامت کی چٹان بنے رہے۔

شہادت مومن کا مطلوب ومقصود ہے۔ ہر سچے صاحب ایمان کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں مارا جائے اور شہادت کے رتبہ جلیلہ پر فائز ہو۔ ہمارے دین میں شہادت کا معاملہ کوئی رنج وغم والی بات ہے ہی نہیں۔ یہ تو ایک مردِ مومن کے لیے فوز وفلاح اور نجات وکامیابی کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں فرمایا:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ (154)

’’جو اللہ کی راہ میں قتل کیے جائیں، انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ یہ لوگ (تو حقیقت میں) زندہ ہیں، مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور حاصل نہیں۔‘‘

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں گردن کٹا کر دین کی گواہی کا حق ادا کر دیا۔ تم انہیں مردہ نہ کہو، یہ زندہ ہیں۔ اللہ نے انہیں حیات جاوداں عطا کی ہے۔ ہاں تمہارا فہم وشعور اس درجے کا نہیں کہ اُن کی زندگی کی کیفیت کا ادراک کر سکو۔ یہی بات سورۃ آل عمران میں اور بھی پُرجلال انداز میں کہی گئی ہے۔ فرمایا:

"جولوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں، اُن کو مردہ خیال نہ کرو، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس سے روزی پا رہے ہیں، جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے بخش رکھا ہے، اُس پر شاداں وفرحاں ہیں اور (یہی نہیں) جولوگ اُن کے پیچھے رہ گئے اور (شہید ہوکر) اُن میں شامل نہیں ہوسکے اُن کی نسبت خوشیاں منارہے ہیں کہ (قیامت کے دن) اُن کو بھی کچھ خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔" (آلِ عمران)

کربلا کے میدان میں نواسۂ رسول ﷺ کی شہادت کا جو سانحہ پیش آیا، یہ ہماری تاریخ کا بہت بڑا سانحہ ہے، تاہم یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ ہماری پوری تاریخ شہادتوں سے بھری پڑی ہے۔ دورِ نبوی اور دورِ خلافت راشدہ میں شاید ہی کوئی دن ایسا گزرا ہو جس میں کوئی نہ کوئی عظیم شہادت وقوع پذیر نہ ہوئی ہو۔ شہادت ہرگز رنج والم سوگ اور ماتم کرنے والی چیز نہیں ہے۔ اگر شہادت ماتم والی شے ہے تو پھر حضرت سمیہ ؓ کی المناک شہادت کا دن بھی ماتم کے طور پر منایا جانا چاہیے۔ یہ عظیم شہادت توحید کے لیے پہلا خون ہے جس سے مکہ مکرمہ کی زمین لالہ زار ہوئی۔ پھر ان کے شوہر حضرت یاسر ؓ کی بہیمانہ انداز سے شہادت کا دلدوز واقعہ ہے۔ پھر میدان احد میں نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت حمزہ ؓ کی المناک شہادت کا سانحہ ہے۔ اُن کی نعش مبارک کا حال یہ تھا کہ اعضا بریدہ ہیں، پیٹ چاک ہے، کلیجہ نکال کر چبانے کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ اور بے شمار دوسرے جاں نثارانِ محمد ﷺ دورِ نبوت میں شہادت کے رتبے پر فائز ہوئے۔ سوگ کا دن منایا جاتا تو اُن کا منایا جاتا۔ اسی طرح اسلامی کیلنڈر کا جو پہلا دن ہر سال آتا ہے یعنی یکم محرم الحرام یہ بھی ایک عظیم شہادت کا دن ہے۔ اُس روز دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق ؓ کی شہادت ہوئی۔ اگر سوگ منانے کا سلسلہ جاری رہے تو بتایا جائے کہ کون سا دن ہوگا جب سوگ نہ منایا جائے گا۔

نواسۂ رسول سیدنا حضرت حسین ؓ اور آپؓ کے ساتھ آپ کے خاندان کے اکثر افراد نے 10 محرم سن 61 ہجری میں دشت کربلا میں شہادت پائی۔ حضرت حسین ؓ کی شہادت کے واقعات کے بیان سے قطع نظر یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ یہ اچانک ظہور پذیر ہونے والا حادثہ نہیں تھا، بلکہ یہ اس سبائی سازش کا مظہر تھا جو پچیس سال قبل ایک اور المناک حادثے کو جنم دے چکی تھی یعنی نبی کریم ﷺ کے داماد اور تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین ؓ کی مظلومانہ شہادت۔ قبل ازیں حضرت عمر فاروق ؓ کی شہادت ہوئی۔ یہ اہلِ فارس کی سازش تھی۔

اہل فارس کا خیال تھا کہ اسلام کو جو شان و شوکت حاصل ہوئی ہے، اگر اس شخص کو راستے سے ہٹا دیا جائے تو اسلامی اقتدار کے غلبہ و توسیع کو کنٹرول کیا جاسکے گا۔ چنانچہ ابولولو فیروز فارسی مجوسی کے ذریعے اس سازش کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ آپ ؓ کی شہادت کے بعد خلافت کی ذمہ داری حضرت عثمان غنی ؓ کے کندھوں پر آ گئی۔ آپؓ کا دورِ خلافت 12 سال کا ہے۔ یہ خلفائے اربعہ میں سے سب سے طویل دور ہے۔ آپؓ کے دورِ خلافت کے ابتدائی 10 برس اُسی شان کے ہیں، جیسے دورِ فاروقی کے تھے۔ دورِ عثمانی میں اسلامی سلطنت کی سرحدیں ماوراء النہر تک پھیل گئیں۔ لیبیا، تیونس، الجزائر اور مراکش اسلام کے پرچم تلے آ گئے۔ اسلام کا یہ سیلِ رواں دشمنوں کی تمام تر سازشوں کے باوجود تھمتا نہ تھا۔ اس کو روکنے کے لیے یہودیوں نے Disinformation کا ہتھیار استعمال کیا، جو آج بھی وہ بڑی مہارت سے استعمال کر رہے ہیں۔ عبداللہ بن سبا یہودی نے اسلام کا لبادہ اوڑھا اور مدینے میں آ گیا۔ اُس نے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالنے شروع کر دیے۔ اُس نے کہا کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے، خلافت اُسی کا حق ہوتا ہے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے وصی حضرت علی ؓ ہیں، لہٰذا خلافت اُن کا حق ہے۔ مدینہ کے بعد وہ بصرہ اور پھر مصر گیا۔ وہاں بھی اُس نے اپنا ایک ایک مرکز قائم کیا اور یہی پروپیگنڈا کرتا رہا۔ اُس نے اپنے ہم خیالوں کی ایک جماعت پیدا کر لی۔ جس کے نتیجے میں امام مظلوم حضرت عثمانؓ کی شہادت وقوع پذیر ہوئی۔ اُس زمانے میں بھی دشمنانِ اسلام نے Disinformation کا سہارا لیا، آج بھی وہ میڈیا کے غلط پروپیگنڈا کے ذریعے سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرتے اور مسلمانوں میں تفریق پیدا کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت علی ؓ کا عہدِ خلافت آیا۔ آپؓ کے عہدِ خلافت کے پونے پانچ برس باہم خانہ جنگی میں گزرے۔ جنگ جمل ہوئی، جنگ صفین ہوئی، جنگ نہروان ہوئی۔ مسلمان کی تلوار سے ہی مسلمان کا خون ہوتا رہا۔ جلیل القدر صحابہ ؓ شہید ہوئے۔ اس دوران جب بھی مصالحت آخری مرحلے پر پہنچتی تو ایک سازشی ٹولہ معاملے کو بگاڑ دیتا۔ سازشوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ ایک خارجی کے ہاتھوں حضرت علی ؓ کی شہادت کے بعد کوفہ میں حضرت حسن ؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی۔ اُن کا حضرت معاویہ ؓ سے اختلاف ہوا، اور اُن کی فوج سے تصادم ہوا۔ لیکن بالآخر صلح ہوگئی۔

حضرت معاویہ ؓ کی جانب سے یزید کو امیر نامزد کیا گیا تو حضرت حسین ؓ نے اس سے اختلاف کیا۔ اہلسنت اس معاملے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ آنجناب پوری نیک نیتی سے یہ سمجھتے تھے کہ اسلام کے شورائی اور جمہوری مزاج کو بدلا جارہا ہے۔ حالات کے رُخ کو اگر ہم نے تبدیل نہ کیا تو وہ خالص اسلام جو حضرت محمد ﷺ لے کر آئے تھے اور جسے آپؐ نے قائم فرمایا تھا، اس میں کجی کی بنیاد پڑ جائے گی۔ لہٰذا اسے ہر قیمت پر روکنا ضروری ہے۔ پھر یہ کہ کوفہ کے لوگوں کی جانب سے برابر پیغامات آ رہے تھے کہ آپؓ کوفہ آئیں، ہم بیعت کرنے کو تیار نہیں۔ اس لیے آپؓ کوفہ روانہ ہوگئے۔ کوفیوں نے اس موقع پر غداری کی۔ یہی وہ سازشی عنصر ہے جس کے سبب کربلا کا سانحہ پیش آیا۔

سانحۂ کربلا کے حوالے سے غور طلب سوال یہ ہے کہ اس واقعے میں ہمارے لیے سبق کیا ہے؟ حضرت حسین ؓ کس بنیاد پر یزید کے خلاف اُٹھے؟ ایک تاثر یہ ہے کہ دورِ خلافت راشدہ کے بعد اسلام کی شاید پوری عمارت ہی ایک دم زمین بوس ہوگئی۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ والد محترم فرمایا کرتے تھے کہ اسلام کی عمارت کو اگر چھ منزلہ عظیم الشان قصر سے تعبیر کیا جائے تو یوں سمجھئے کہ سب سے بالائی منزل یعنی سیاسی سطح پر اس میں ایک دراڑ آ گئی تھی۔ چنانچہ ﴿اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ کا تقاضا پورا ہونے اور مسلمانوں کا امیر ان کی مشاورت سے طے ہونے کی بجائے نامزدگی ہوگئی۔ حضرت معاویہ ؓ صحابیٔ رسول ﷺ ہیں۔ نامزدگی سے اُن کے پیش نظر بعض مصلحتیں تھیں۔ انہوں نے یہ نامزدگی اس اندیشے اور مصلحت کے تحت کی کہ کہیں اُمت دوبارہ اس سازش کا شکار نہ ہوجائے۔ افسوس کہ حضرت امیر معاویہ ؓ کے دور کو ہماری نگاہوں سے اوجھل کر دیا گیا، حالانکہ آپ کے 20 سالہ عہد میں امن وامان کا دور دورہ رہا، اور فتوحات کا وہ سلسلہ جو رک گیا تھا، پھر آگے بڑھا۔ بہرکیف اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہم یزید کی نامزدگی کو بدنیتی نہیں کہیں گے۔ کسی صحابی کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں، اجتہادی غلطی ہوسکتی ہے۔ انہوں نے نامزدگی کا فیصلہ اس لیے کیا کہ سازشی کہیں دوبارہ نہ آجائیں۔ لیکن

اصولی اعتبار سے اس سے تقررِ امیر کے لیے شورائیت کے حوالے سے اوپر کی منزل میں ایک دراڑ پڑ گئی۔ چنانچہ اس کے خلاف حضرت حسین ؓ اُٹھے، اس خیال سے کہ یہ معاملہ آگے بڑھ کر اور بگاڑ کا سبب نہ بن جائے۔ اسلام کے اجتماعی نظام میں اتنا سا فرق آیا تو انہوں نے اس پر بھی سٹینڈ لیا۔ یہ ہے عظمت اور عزیمت نواسۂ رسول ﷺ کی۔ وہ اس نامزدگی کے خلاف اُٹھے۔ بہت سے اور لوگوں کو بھی اس نامزدگی سے اختلاف تھا، لیکن وہ اُٹھے نہیں بلکہ وہ حضرت حسین ؓ کو بھی سمجھاتے رہے کہ کوفیوں کی باتوں میں نہ آیئے گا۔ یہ انتہائی ناقابل اعتبار لوگ ہیں۔ کیونکہ وہاں سے تاثر مل رہا تھا کہ لاکھوں لوگ حضرت حسین ؓ کو اپنا امام تسلیم کرنے اور آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار بیٹھے ہیں اور آپؓ کے ساتھ مل کر اس نامزدگی کے خلاف جہاد کریں گے۔ یہ لوگ حضرت حسین ؓ کو آخری وقت تک روکتے رہے کہ یہ قدم نہ اُٹھائیں، اس سے معاملہ سنبھلے گا نہیں۔ مگر حضرت حسین ؓ نے اُن کے روکنے کے باوجود اس معاملے پر سٹینڈ لیا اور کوفیوں پر اعتبار کر کے کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ راہ حق میں انہوں نے اپنی اور اپنے اعزہ واقارب کی گردنیں کٹا دیں۔

حضرت حسین ؓ نے اپنی اور اعزہ واقارب کی جانوں کی قربانی کس مقصد کے لیے دی تھی؟ اُن کے پیش نظر صرف یہ بات تھی کہ اُس دین پر ذرا بھی آنچ نہ آنے پائے، جو نبی ﷺ قائم کر کے گئے تھے۔ آج ہم میں سے ہر ایک کو یہ سوچنا چاہیے کہ اللہ کا دین کس حال میں ہے۔ حضرت حسین ؓ نے اسلام کی ایک منزل کے کسی درجے میں گرنے پر سٹینڈ لیا تھا، جبکہ آج دین کی ساری عمارت زمین بوس ہو چکی ہے۔ ساری منزلیں گر چکی ہیں۔ پورا ڈھانچہ غائب ہو گیا ہے۔ لیکن ہم ٹس سے مس نہیں ہوتے اور اس مسئلہ کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔ ہمارے لیے سانحۂ کربلا میں اصل سبق یہ ہے کہ اسلام کے قیام و بقا کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔ افسوس کہ آج دین چاروں شانے چت ہے، اور ہم سارے مل کر اسے قائم کرنے کی بجائے اسلام دشمن قوتوں کی صف میں کھڑے ہیں۔ ہمارے حکمران اور اسٹیبلشمنٹ اس سانحہ سے سبق نہیں سیکھتے۔ اس سانحہ میں ہمارے لیے جو اصل سبق ہے، اس کی طرف نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خطۂ زمین عطا کیا ہے، ہم یہاں 96 فی صد مسلمان ہیں۔ مسلمانوں کی حکمرانی ہے۔ مگر پھر بھی ہم اللہ کا دین قائم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہ روش فلسفہ حسینیت کے یکسر خلاف ہے۔ یہ اللہ اور اُس کے دین سے کھلی غداری ہے اور بے وفائی ہے۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ ہماری دینی قیادت اور مذہبی سیاسی جماعتیں بھی مصلحتوں کا شکار ہیں۔ استقامت اور عزیمت کا نام ہی ہماری قومی لغت سے غائب ہو چکا ہے۔ ہم نے بحیثیت قوم مفادات کے سامنے جھک جانا اپنا شعار بنا لیا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

10 محرم کا اصل سبق یہ ہے کہ ہم عزیمت اور استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے آگے ڈٹ جائیں۔ امریکہ بڑی طاقت سہی، مگر اللہ کی طاقت کے مقابلے میں اُس کی حیثیت ہی کیا ہے۔ بے سروسامان طالبان افغانستان نے اللہ کی نصرت کے سہارے امریکہ اور اس کے متحدہ لشکر نیٹو کو افغانستان سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ کفریہ طاقتیں افغانستان میں لگے زخم ابھی تک چاٹ رہی ہیں۔ پس واضح ہو گیا ہے کہ اللہ کی طاقت کے سامنے اُن کی کوئی حیثیت نہیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہمارا اللہ پر یقین ہی نہیں ہے۔ ہم اللہ کے دیئے ہوئے دین اور اُس کی عطا کی ہوئی شریعت کو نافذ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ پھر اللہ کی مدد کیسے ہمارے شامل حال ہو سکتی ہے۔ ہمیں اللہ کو منانا ہوگا۔ اُس کے دین کا پرچم بلند کرنا ہوگا۔ یہی طرزِ عمل ہمیں مصائب و مشکلات اور غیروں کی غلامی سے چھٹکارا دلائے گا۔ ان شاء اللہ!

❁❁❁

پریس ریلیز 05 جولائی 2024ء

اسرائیلی درندگی کو روکنے اور فلسطینی مسلمانوں کی حفاظت کے لیے پاکستان عملی اقدامات اُٹھائے

شجاع الدین شیخ

اسرائیلی درندگی کو روکنے اور فلسطینی مسلمانوں کی حفاظت کے لیے پاکستان عملی اقدامات اُٹھائے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر شجاع الدین شیخ نے ایک بیان میں کہی۔ انہوں نے کہا کہ آستانہ میں منعقد ہونے والے شنگھائی تعاون تنظیم کے سربراہی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے وزیراعظم پاکستان کا یہ کہنا کہ اسرائیل جنگی جرائم کا مرتکب ہو رہا ہے اور فلسطینی مسلمانوں کو انسانیت سوز مظالم کا سامنا ہے یقیناً حقیقت پر مبنی تبصرہ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والی مملکتِ خداداد پاکستان جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلم دنیا کی واحد ایٹمی قوت ہے اور جس کے پاس بہترین میزائل ٹیکنالوجی اور پیشہ وارانہ مہارت کی حامل فوج بھی موجود ہے، اُس ملک کے چیف ایگزیکٹو کا غزہ میں فوری غیر مشروط جنگ بندی کا محض مطالبہ کرنا نہ صرف ناکافی بلکہ حکومتِ پاکستان کی کم ہمتی کا واضح ثبوت ہے۔ دوسری طرف اسرائیل جنگ کو پھیلا کر پوری دنیا کا امن و امان تباہ کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ غزہ پر تقریباً 9 ماہ سے مسلسل شدید ترین بمباری کی جا رہی ہے۔ گریٹر اسرائیل کے ناپاک صہیونی منصوبہ کو تیزی سے آگے بڑھایا جا رہا ہے اور اسرائیل کو امریکہ، مغربی یورپ کے اکثر ممالک اور بھارت کی مکمل معاونت حاصل ہے۔ پاکستان کے حوالے سے اسرائیل کے مذموم عزائم پر تبصرہ کرتے ہوئے امیر تنظیم نے کہا کہ 1967ء کی جنگ میں فتح کے بعد پیرس میں جشن مناتے ہوئے اسرائیل کے سابق وزیراعظم ڈیوڈ بن گوریان نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا تھا کہ اسرائیل کا خطرناک ترین حریف پاکستان ہے۔ پھر یہ کہ کچھ عرصہ قبل موجودہ اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو ایک انٹرویو میں اس خواہش کا اظہار کر چکا ہے کہ پاکستان کے ایٹمی دانت توڑ دیئے جائیں۔ لہٰذا ہمارے حکمران اور مقتدر طبقات صورتِ حال کی نزاکت کا احساس کریں۔ ملک کی اندرونی اور خارجہ پالیسیاں وضع کرتے وقت آنے والے دور کے حوالے سے احادیث نبوی ﷺ میں موجود خبروں کو خصوصی اہمیت دی جائے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ پاکستان اور افغانستان آپس میں گتھم گتھا ہو جائیں اور دونوں ممالک کے اشتراک سے خراسان کا وہ خطہ عملی طور پر تشکیل نہ پا سکے جس کے بارے میں احادیث نبوی ﷺ میں بشارت آئی ہے کہ وہاں سے فوجیں حضرت مہدیؒ کی نصرت کے لیے جائیں گی اور اُسی خطہ سے چلنے والی فوجیں ایلیاء (یروشلم) میں اسلام کا جھنڈا اگاڑ کر پوری دنیا پر دین کو قائم و نافذ کریں گی۔ لہٰذا ہمیں پاکستان کو حقیقی معنوں میں 'اسلامی ایٹمی پاکستان' بنانا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مسلمان ممالک کے حکمرانوں اور مقتدر طبقات کو صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی عطا فرمائے۔ آمین! (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان)

عدلیہ:
چیف جسٹس عبدالرشید سے 13 جنوری کے فیصلہ تک

ایوب بیگ مرزا

تقسیم ہند سے پاکستان معرض وجود میں آیا۔ اس نوزائیدہ ریاست کو انتہائی خوفناک مسائل کا سامنا تھا۔ بددیانت ہندو نے پاکستان کو اس کے حصے کے اثاثے دینے سے انکار کردیا۔ پھر ہندوستان میں جو مسلم کُش فسادات کا سلسلہ شروع ہوا تو مہاجرین سیلاب کی صورت میں پاکستان میں داخل ہوتے چلے گئے۔ متعصب اور بددیانت ہندو کو عیار انگریز کی سرپرستی حاصل تھی۔ بعض کانگرسی لیڈروں کا یہ بیان کہ پاکستان اپنی آزادی قائم نہیں رکھ سکے گا اور بہت جلد ختم ہوجائے گا۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ یہ ناانصافی اور ظلم وستم ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت کررہے تھے۔ اُن کا اپنا لیڈر مہاتما گاندھی اسی گندی ذہنیت کا شکار ہوا اور اُسے قتل کردیا گیا۔ قائداعظم جو سیدھی اور سچی بات کہنے کے عادی تھے اُن کا خیال تھا کہ جب ہندوؤں اور مسلمانوں کا الگ الگ ملک بن جائے گا تو ہندو مسلم جھگڑا ختم ہوجائے گا اسی وجہ سے اُنہوں نے تقسیم ہند سے پہلے کہا تھا کہ بھارت اور پاکستان کے ایسے ہی دوستانہ تعلقات ہوں گے جیسے امریکہ اور کینیڈا کے ہیں۔ اس خوفناک صورت حال کو دیکھ کر ہی اُن سے یہ فقرہ منسوب ہے کہ اگر اس قتل و غارت گری کا کوئی تصور مجھے ہوتا تو میں کبھی تقسیم کی بات نہ کرتا۔ واللہ اعلم۔ لیکن اور یہ بہت بڑا لیکن ہے کہ آزادی کے فوراً بعد پاکستان کے اکثر محکمہ جات کے اہلکاروں اور افسروں نے ایسی جان سوزی اور دیانت داری سے کام کیا کہ دشمن کی خواہشات ملیا میٹ ہوگئیں۔ کاش اے کاش! یہ جذبہ قائم رہتا تو پاکستان آج ایک عالمی قوت ہوتا۔ اس تحریر میں راقم آپ کو پاکستان کی عدلیہ کی تاریخ پیش کرے گا کہ کہاں سے بات شروع ہوئی تھی اور کہاں تک پہنچی۔ گویا کبھی عروج کا کمال تھا آج زوال کمال کو پہنچا ہے۔ لیکن اس سے پہلے انتظامیہ کے حوالے سے ایک بات عرض کرنی ضروری سمجھوں گا تاکہ آج کا نوجوان جان سکے کہ کبھی ہماری بیوروکریسی ایسی بھی ہوتی تھی۔ وہ یوں کہ کراچی پاکستان کا دارالحکومت تھا۔ دفتروں میں کاغذات کو جوڑنے کے لیے پن نہ ملتی تھیں تو ہمارے یہ افسر کراچی شہر سے دور دراز علاقوں کی طرف نکل جاتے تھے اور کانٹے اکٹھے کرکے لاتے تھے اور اُن سے کاغذات کو جوڑتے تھے وہ بیوروکریٹس بھی انسان تھے۔ آج کا بیوروکریٹ عوام کی راہ میں کانٹے بچھا کر بھی شرمندہ نہیں۔ بہرحال عدلیہ کی تاریخ جو اس وقت کا موضوع ہے اُس کی طرف چلتے ہیں۔

جسٹس عبدالرشید پاکستان کے پہلے چیف جسٹس تھے۔ اُس وقت لیاقت علی خان وزیراعظم پاکستان تھے۔ اُنہوں نے سرکاری سطح پر چائے کی دعوت کا پروگرام بنایا، جس میں اعلیٰ حکومتی عہدداروں کو مدعو کیا گیا۔ جس کے جواب میں چیف جسٹس نے وزیراعظم کو خط لکھا کہ آپ نے مجھے چائے کی دعوت میں بطور مہمان شرکت کی دعوت دی ہے۔ مجھے شریک ہونے میں کوئی عذر نہ ہوتا لیکن اس وقت آپ کی حکومت کا ایک مقدمہ میری عدالت میں زیرِ سماعت ہے لہٰذا اس دوران آپ کی طرف سے کسی دعوت کو قبول کرنا عدل کے تقاضوں کے خلاف ہوگا اور اگلی بات ایسی ہے کہ قارئین دانتوں میں انگلیاں دینے پر مجبور ہوجائیں گے۔ جس دن وہ ریٹائر ہوئے تو اپنے پین کی سیاہی دوات میں انڈیل دی کہ یہ سیاہی سرکاری پیسوں سے آئی تھی میں اسے گھر نہیں لے جاسکتا۔ پھر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس منیر جو عدلیہ میں نظریہ ضرورت کے حوالے سے بڑے بدنام ہوئے اور بالکل صحیح بدنام ہوئے اگرچہ کم ازکم راقم کے علم میں اُن کی کسی نوع کی کرپشن نہیں۔ بہرحال اُنہوں نے نے مولوی تمیز الدین کیس میں حکومت کے حق میں فیصلہ دے کر نظریہ ضرورت کی بنیاد رکھی۔ اس فیصلے نے پاکستان کی جمہوری بنیادوں کو کھوکھلا کردیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات انسان وقتی حالات اور ملکی مفاد کے حوالے سے دلائل سے قائل ہوکر ایک غلط کام کر گزرتا ہے لہٰذا یہاں تک بات رہتی تو بھی ہم جسٹس منیر کا کچھ نہ کچھ دفاع کرتے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ایوب خان کے مارشل لاء کے وقت بھی موصوف ہی چیف جسٹس تھے۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ جسٹس منیر کے اس نظریۂ ضرورت نے عدلیہ میں خرابی کی داغ بیل ڈال دی۔ گویا یہ اُن کی ذہنی اور فکری کجی کا نتیجہ تھا۔ پھر عدلیہ کے لیے کوئی اچھا دن نہیں آیا۔ یقیناً بعض ججز حضرات نے انفرادی سطح پر عدل کا اعلیٰ معیار قائم کیا ہوگا لیکن فرد ہو یا ادارہ تاریخ یوں جائزہ لیتی ہے کہ اُس سے برائی کتنی چھوٹی اور اچھائی کتنی سامنے آئی۔ راقم کی رائے میں بحیثیت مجموعی عدلیہ کی تاریخ شرمناک حد تک داغدار ہے۔ کون نہیں جانتا کہ 1956ء کا آئین بڑی مشکل اور کاوش سے بنا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اب پاکستان کم ازکم جمہوریت کی پٹڑی پر چڑھ جائے گا لیکن ایوب خان نے اُسے بُری طرح کچل دیا۔

راقم کی یادداشت کے مطابق جسٹس رستم کیانی واحد جج تھے جنہوں نے ایوب خان کو کسی حد تک کاؤنٹر کرنے کی کوشش تھی۔ پھر ایوب خان نے جب اپنے بنائے ہوئے آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یحییٰ خان کو اقتدار منتقل کردیا، تب بھی ہمارے نظامِ عدل پر قبرستان کی سی خاموشی چھائی رہی۔ ضیاء الحق نے مارشل لاء لگایا تو انوارالحق چیف جسٹس آف پاکستان تھے۔ اُن کے حوالے سے ایک انتہائی دلچسپ اور شرمناک واقعہ مشہور ہے۔ ضیاء الحق کے مارشل لاء کے خلاف سپریم کورٹ میں رِٹ دائر ہوئی۔ جس روز اس کیس کا فیصلہ سنایا جانا تھا، اُس سے ایک روز قبل ضیاء الحق اور چیف جسٹس شادی کے ایک ہی فنکشن میں مدعو تھے۔ ضیاء الحق نے اپنے ایک نمائندے کو چیف جسٹس کے پاس بھیجا کہ کل صبح آپ کیا فیصلہ سنا رہے ہیں۔ ضیاء الحق کا نمائندہ یہ جواب لے کر واپس آیا کہ آپ کے اقتدار کو جائز قانونی حیثیت دے دی جائے گی۔ ضیاء الحق ذرا تلخ لہجے میں بولے وہ تو مجھے معلوم ہے کہ مارشل لاء قانونی قرار دے دیا جائے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ معلوم کرو کہ مجھے بطور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر یہ اختیار دیا جارہا ہے کہ میں آئین میں من چاہی ترمیم کرسکوں، جس کا جواب نفی میں ملا، تو ضیاء الحق نے بڑی برہمی کا اظہار کیا۔ راوی کہتا ہے چیف جسٹس شادی کے

فنکشن سے اپنے گھر جانے کی بجائے اپنے آفس گئے اور فیصلہ میں مطلوبہ اضافہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی خواہش کے مطابق کردیا۔'' حیران ہوں دل کو روؤں یا پیٹوں جگر کو میں'' پرویز مشرف نے بڑی چالاکی کے ساتھ بلکہ جعل سازی کے ساتھ نواز شریف کو دھوکہ دیتے ہوئے مارشل لاء لگایا۔سعید زمان صدیقی اس وقت چیف جسٹس تھے۔اُنہوں نے تو مشرف کے PCO کے تحت حلف نہ اٹھایا البتہ ارشاد حسن جو اُن کی جگہ چیف جسٹس بنے، اُنہوں نے مارشل لاء کو جی آیاں نوں کہا۔

گویا ہماری عدلیہ ڈھلوان پر لڑھکتی رہی اور تباہی کی طرف اُس کا سفر جاری رہا۔طوالت سے بچنے کے لیے عدلیہ کے زوال کی کئی داستانیں چھوڑتے ہوئے چیف جسٹس عمر عطا بندیال تک آجاتے ہیں۔تاریخ بتاتی ہے کہ وہ بددیانت یا کرپٹ تو ہرگز نہیں تھے البتہ انتہا درجہ کے بزدل انسان تھے۔ اپنے کئے ہوئے فیصلوں پر عملدرآمد نہ کرا سکے۔اُن کے دور میں پہلی مرتبہ یہ ہوا کہ سویلین حکومت نے دو صوبائی اسمبلیوں کے 90 دن میں الیکشن نہ کروا کر آئین کو پاش پاش کردیا اور وہ آئیں بائیں شائیں کرتے رہے(اس سے پہلے آئین صرف مارشل لاء میں ٹوٹتا تھا اور اگر کوئی سویلین حکومت آئین کی خلاف ورزی کرتی تھی تو سپریم کورٹ فوری طور پر اُس کی تلافی کردیتا تھا۔کوئی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جاسکتی کہ کسی سویلین حکومت نے آئین شکنی کی طرف قدم بڑھایا ہوا اور سپریم کورٹ نے جلد از جلد اُن قدموں کو روک نہ دیا ہو۔)

موجودہ چیف جسٹس قاضی فائز عیسیٰ پر سیاسی ہونے کے بے شمار الزامات سامنے آئے ہیں۔جب فیض آباد دھرنا ہوا تو اُنہوں نے اسے اسٹیبلشمنٹ کی واردات قرار دے کر اینٹی اسٹیبلشمنٹ ہونے کی حیثیت سے خوب نام کمایا۔اس لیے کہ وہ اُس وقت کی سیاسی حکومت کے خلاف تھا۔راقم کی رائے میں قاضی صاحب نے بالکل ٹھیک کیا۔لیکن موجودہ سویلین حکومت تو خالصتاً اسٹیبلشمنٹ کے سہارے سے کھڑی ہے اور سب کچھ اُنہی کا چلتا ہے۔ لہٰذا فیصلے آج بھی اسٹیبلشمنٹ کی عین منشا کے مطابق آرہے ہیں۔گویا وہ اینٹی اسٹیبلشمنٹ نہیں ہیں بلکہ ایک سیاسی جماعت کے لیے بڑے مثبت جذبات رکھتے ہیں۔خاص طور پر 13 جنوری کے فیصلے جس میں ایک پارٹی کو انتخابی نشان سے ہی محروم کردیا گیا۔بڑی آسانی اور پورے یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ آج پاکستان جس سیاسی عدم استحکام کا شکار ہے، یہ اسی فیصلے کا نتیجہ ہے۔ملکی سلامتی کے حوالے سے یہ ملک میں بدترین فساد کا موجب بنا اور مستقبل میں خدانخواستہ اس ملک کی سلامتی کو کوئی نقصان پہنچا تو اس تباہی میں اس فیصلے کا کلیدی رول ہوگا۔ انتخابات جو عوام کی رائے کو جانچنے کا ایک ذریعہ ہیں اس فیصلہ نے اس ذریعے ہی کو تباہ و برباد کرکے ملک کو تباہی کے دہانے پر لاکھڑا کیا ہے۔

اب تو عدلیہ کا معاملہ یہ ہوگیا ہے کہ ایک کیس کو اسلام آباد ہائی کورٹ کا تین رکنی بنچ 1-2 سے ناقابلِ سماعت قرار دیتا ہے اور اس کے ناقابل سماعت ہونے کے فیصلہ کو ویب سائٹ پر چڑھا دیا جاتا ہے،لیکن بڑوں کو یہ فیصلہ پسند نہیں آتا تو چیف جسٹس اُس فیصلہ کو ویب سائٹ سے اُتروا دیتے ہیں اور اس مقدمہ کے لیے نیا بنچ بنا دیتے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ! اس وقت خصوصی نشستوں کا مقدمہ سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہے جو پسندیدہ جماعتوں میں ریوڑیوں کی طرح بانٹ دی گئیں تھیں۔یہ سمجھ کر سماعت کے لیے فل کورٹ بنادیا گیا کہ ججز کی اکثریت اس بندر بانٹ پر مہر تصدیق ثبت کردے گی لیکن آئینی اور قانونی معاملات اس کے بالکل مخالف ہیں لہٰذا جو سماعت دو دن میں ختم کرنے کا ارادہ تھا اُسے طویل کیا جارہا ہے شاید خلائی مخلوق کوئی کارنامہ سرانجام دے لے۔پاکستان کی تباہی کی یہ ایک نامکمل داستان ہے۔اس لیے کہ جس ملک میں عدل یوں کیچڑ میں لت پت ہوجائے کہ وہ خواتین کے مخصوص ایام کے بارے میں فیصلے کرنا شروع کردے جس کی مثال نہ اسلام کی تاریخ میں ہے اور نہ شاید غیر مسلموں کی تاریخ میں ہو۔اللہ تعالیٰ پاکستان پر رحم فرمائے۔آمین یارب العالمین! ❀❀❀

ضرورت رشتہ

☆ لاہور میں رہائش پذیر شیخ صدیقی فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 29 سال،تعلیم ایم ایس ایجوکیشن ، ایم اے اردو، گورنمنٹ جاب، قد "4'.5 کے لیے دینی مزاج کے حامل برسرروزگار،تعلیم یافتہ لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ:0332-4747216

☆ انگلینڈ میں مقیم بیٹی، عمر 25 سال،تعلیم کیمیکل انجینئر (ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب) کے لیے دینی مزاج کے حامل، اعلیٰ تعلیم یافتہ (ڈاکٹر، انجینئر، چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ) لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔عمر کی حد 30 سال اور انگلینڈ کے رہائشی کو ترجیح دی جائے گی۔والدین رابطہ کریں۔

برائے رابطہ:0300-4590090

اشتہار دینے والے حضرات نوٹ کرلیں کہ ادارہ ہذا صرف اطلاعاتی رول ادا کرے گا اور رشتہ کے حوالے سے کسی قسم کی ذمہ داری قبول نہیں کرے گا۔

گوشۂ انسدادِ سود

وفاقی شرعی عدالت کے 14 سوال اور ان کے جوابات

(گزشتہ سے پیوستہ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ رِبًا))

(المطالب العاليه از ابن حجر: ج۱ص ۴۴۱ رقم:۱۳۷۳ طبع بيروت)

''ہر قرض جو فائدہ کھینچے وہ ربا ہے۔''

یہ حدیث پہلے بھی حوالہ کے ساتھ نقل کر دی گئی ہے۔اس حدیث مبارکہ میں لفظ 'کُلّ' کی وسعتوں میں ہر قرض سما جاتا ہے'خواہ وہ کسی بھی مقصد کے لیے لیا گیا ہو' کیونکہ جب سود کی حرمت اور اس کی تعریف متعین کرنے والی مذکورہ نصوص کے متن کے الفاظ عام ہیں اور ان عام الفاظ کے بعد کوئی فقرہ شرطیہ یا استثنائیہ موجود نہیں اور نہ ہی دیگر نصوص میں سے کوئی اس عام حکم میں تخصیص واستثناء پیدا کرتی ہے تو پھر مذکورہ نص کے الفاظ کو عام میں ہی شامل کیا جائے گا' جس سے کسی مخصوص قرض کے استثناء کی گنجائش خود بخود ختم ہوجاتی ہے اور اس کا اطلاق ہر اُس قرضے پر ہوگا جس کے معاہدہ میں اصل رقم پر معینہ اضافہ کی شرط عائد ہو' خواہ اس قرض کے مقاصد کچھ بھی ہوں۔

بحوالہ:''انسدادِ سود کا مقدمہ اور وفاقی شرعی عدالت کے 14 سوال'' از حافظ عاطف وحید

آہ! فیڈرل شریعت کورٹ کے سود کے خلاف فیصلہ کو 804 دن گزر چکے!

ہمارا سیاسی اور معاشی نظام تو مکمل طور پر مغرب کے شکنجے میں ہے، اب معاشرتی نظام پر بھی مغربی حملے بڑھ رہے ہیں، مدرز ملک بینک کا قیام بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے: خورشید انجم

پاکستان کو استحکام کسی فوجی آپریشن کے ذریعے نہیں ملے گا بلکہ حقیقی معنوں میں اگر ہم استحکام چاہتے ہیں تو ہمیں مذاکرات کی طرف آنا چاہیے اور اس سے بھی بڑھ کر ہمیں اسلام کی طرف لوٹنا ہوگا: رضاء الحق

مغرب ہماری معاشرت کو اس لیے بدلنا چاہتا ہے کیونکہ ہماری تہذیب و روایات سے مغرب کو خطرہ ہے: ڈاکٹر محمد عارف صدیقی

پاکستان کے خاندانی نظام پر دجالی حملہ اور آپریشن عزم استحکام کے موضوعات پر

حالات حاضرہ کے منفرد پروگرام "زمانہ گواہ ہے" میں معروف دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کا اظہار خیال

میزبان: وسیم احمد

مرتب: محمد رفیق چودھری

سوال: حال ہی میں کراچی میں سندھ حکومت کے تعاون سے ایک مدرز ملک بینک کے قیام کا اعلان ہوا جس پر عوام نے بھی شدید تنقید کی اور علمائے کرام نے بھی ایسے کسی بھی عمل کو خلاف شریعت قرار دیا۔ اس پر حکومت نے اس اقدام کو منسوخ کر کے معاملہ اسلامی نظریاتی کونسل کو بھیج دیا۔ اس پروجیکٹ کے پیچھے کون تھا، اس کے کیا مقاصد تھے اور اس کی فنڈنگ کون کر رہا تھا؟

خورشید انجم: بنیادی طور پر یہ اقوام متحدہ کا ایک منصوبہ تھا اور یہ ان کا کوئی پہلا منصوبہ نہیں تھا بلکہ تسلسل کے ساتھ وہ ہماری معاشرت پر حملے کر رہے ہیں۔ سیاسی اور معاشی طور پر تو وہ ہمیں اپنی مکمل گرفت میں لے چکے ہیں۔ سیاسی طور پر وہ غیر اللہ کی حاکمیت پر مشتمل اپنا نظام کہیں جمہوریت کی آڑ میں اور کہیں آمریت کی آڑ میں ہم پر مسلط کر چکے ہیں اور اس حوالے سے جو ان کے مقاصد تھے وہ پورے ہو رہے ہیں۔ ان کی کوشش ہے کہ قرآن و سنت کا اس نظام میں کہیں دور دور سے بھی گزر نہ ہو۔ ہمارے معاشی نظام کو بھی انہوں نے سود کے ذریعے پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ اقبال نے کہا تھا کہ ''فرنگ کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے'' لیکن اب یوں کہنا چاہیے کہ پورے عالم کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے۔ ہمارا معاشرتی نظام کافی حد تک بچا ہوا تھا جس میں ہم ابھی تک اپنی اقدار کے ساتھ جڑے ہوئے تھے اور کچھ دینی اور مشرقی روایات کی پاسداری بھی تھی لیکن اب ہمارے معاشرتی نظام میں بھی نقب لگانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور یہ کوئی پہلا موقع نہیں ہے بلکہ نوآبادیاتی دور سے وہ ہماری معاشرتی اقدار کو تلپٹ کرنے میں لگے ہوئے ہیں لیکن گزشتہ نصف صدی سے ان کی کوششوں میں بہت تیزی آگئی ہے۔ قاہرہ کانفرنس، بیجنگ پلس فائیو کانفرنس اور اس طرح کی دیگر کانفرنسز اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ کبھی ویلنٹائن ڈے کو ابھارا گیا، کبھی کسی اور ذریعے سے بے حیائی اور فحاشی کو ہوا دی گئی۔ بنیادی طور پر اس طرح کے ہتھکنڈوں کا مقصد یہ ہے کہ وہ ان کے ذریعے ہماری نبض چیک کرتے ہیں کہ ہم میں غیرت و حمیت نام کی کوئی چیز باقی ہے یا نہیں۔ جہاں مزاحمت نہیں ہوتی وہاں وہ اپنا ایجنڈا نافذ کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ مِلک بینک کے خلاف عوام نے بھی احتجاج کیا، مفتی تقی عثمانی صاحب نے خاص طور پر اس کے خلاف آواز اٹھائی تو اس کو روک دیا گیا۔ جہاں سخت مزاحمت کی جاتی ہے تو وہاں کچھ عرصہ بعد وہ کوئی دوسرا پروجیکٹ لے آتے ہیں۔ یہ ان کی مسلسل کوشش ہے کہ جس طرح مغربی معاشرہ مکمل طور پر تباہ ہو چکا ہے، خاندانی نظام ختم ہو چکا ہے، شرم و حیا کا جنازہ نکل چکا ہے، یہاں تک کہ محرم اور غیر محرم کی تمیز بھی وہاں نہیں رہی، اسی طرح وہ ہمارے معاشرے کو بھی تباہی سے دوچار کرنا چاہتے ہیں۔

سوال: اس پروجیکٹ کے حامی لوگ کہہ رہے ہیں کہ بچوں کی نگہداشت ٹھیک طرح سے نہیں ہو رہی تھی لہٰذا ہم بچوں کو ماں کے دودھ کی طرف لا رہے تھے اور مائیں تو سب کی سانجھی ہوتی ہیں، ماں کا دودھ پئیں گے تو بچوں کی پرورش اچھی ہوگی۔ دوسری طرف علماء کا موقف ہے کہ رضاعی بہن بھائی کا جو تصور دین نے دیا ہے وہ اس طرح کے اقدامات سے سبوتاژ ہو جائے گا۔ آپ کے خیال میں اس پروجیکٹ کی شروعات کرنے والے کون لوگ ہیں؟

رضاء الحق: پہلی بات تو یہ ہے کہ ایسی کونسی ریسرچ کی گئی کہ یہاں مدرز ملک بینک کی ضرورت پیش آگئی، یہاں ابھی تو صرف ملک بینک کی بات ہو رہی ہے مغرب میں تو سپرم بینکس بھی ہوتے ہیں، کیا ہم مغرب کا وہی بدبودار نظام یہاں بھی رائج کرنا چاہ رہے ہیں؟ پرویز مشرف کے دور میں حقوق نسواں کے نام پر جو کچھ ہوا اور پھر روشن خیالی کے نام پر جو کام ہوئے ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ کسی طرح عورت کو گھر سے نکال کر اور اس کی چادر اور چار دیواری چھین کر حیا سے عاری کر دیا جائے۔ دجالی فتنہ میں دو چیزیں خاص طور پر ظاہر ہو کر سامنے آتی ہیں ایک مال کا فتنہ اور دوسرا معاشرتی اور خاندانی نظام کو تباہ کرنا۔ مدرز ملک بینک کے حوالے سے علمائے کرام نے کھل کر فقہی مسائل کو بیان کر دیا ہے۔ اس سے قبل بھی ایک مرتبہ جب گھریلو تشدد کے نام پر ایک بل پارلیمنٹ میں متعارف کرایا گیا تھا تو علمائے کرام نے اس کے خلاف آواز بلند کی تھی کہ آپ لوگ جذباتی اور نفسیاتی تشدد کو بنیاد بنا کر یہ کوشش کر رہے ہیں کہ کسی طرح خاندانی نظام، نکاح کے مقدس بندھن اور گھر کے تصور کو ملیامیٹ کر دیا جائے۔ اس پر وہ بل واپس لے لیا گیا۔ اسی طرح ٹرانسجینڈر کے نام پر بھی ایک بل پاس ہوا اور بعد ازاں اس پر بھی تنازعہ کھڑا ہوا اور وہ معاملہ عدالت میں ہے۔ مغرب کا خاندانی نظام تو بالکل

تباہ ہو چکا ہے، اب یہی تباہی وہ مسلم ممالک میں بھی لانا چاہتے ہیں کیونکہ جب حیا جاتی ہے تو ساتھ ایمان بھی جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر گزرتے دن کے ساتھ مسلم ممالک گہری کھائی میں گرتے چلے جارہے ہیں۔ تاجکستان میں حجاب پر پابندی لگا دی گئی ہے، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کی صورتحال بھی سب کے سامنے ہے۔ پاکستان میں بھی اسی طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے جارہے ہیں جن میں سے ایک مدرز ملک بینک کی کوشش بھی تھی۔ حالانکہ پاکستان میں ابھی تک خاندانی نظام قائم ہے اور اگر کہیں ماں موجود نہ ہو تو رضاعت کا تصور بھی ہمارے ہاں موجود ہے۔ یعنی یہاں مدرز ملک بینک کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ بیرونی ایجنڈے کے تحت جو بھی پروجیکٹ آتے ہیں ہماری حکومتیں آنکھیں بند کرکے ان پر عمل درآمد شروع کر دیتی ہیں۔ حالیہ دنوں میں ’’ڈانس فار ایجوکیشن‘‘ کے نام سے ایک پروجیکٹ لانچ کیا گیا اور ہماری حکومت نے اسے بھی مسلط کرنے کی کوشش کی۔ اسی طرح امریکہ سے ہم جنس پرستوں کا ایک میوزک بینڈ ہماری یونیورسٹیز کے لیے لانچ کیا گیا تو ہماری حکومت نے پورے پاکستان کا دورہ کروایا اور ہماری طالبات اور خواتین اساتذہ کو سامنے بٹھا کر انہوں نے لیکچرز بھی دیے۔ ایبٹ آباد میں ایک شخص نے Gay کلب کھولنے کے لیے درخواست دی، عوامی سطح پر اس کے خلاف جب احتجاج ہوا تو معاملہ رک گیا ورنہ ہماری انتظامیہ نے اسی بیرونی ایجنڈے کے تحت اس پر عمل درآمد شروع کر دیا تھا۔ اسی طرح پنجاب حکومت کے تعلیمی اداروں میں موسیقی کے مقابلے کا پروگرام متعارف کروایا گیا۔ یعنی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کوشش کی جارہی ہے کہ یہاں سے شرم و حیا، عفت و عصمت اور خاندانی نظام کا تصور اُٹھ جائے اور مادر پدر آزاد معاشرہ اُمت مسلمہ کی تباہی کا باعث بن جائے۔ اس حوالے سے یونیسف کی جانب سے فنڈنگ کی بات بھی سامنے آئی اور مختلف این جی اوز جو ان گھناؤنے مقاصد کے لیے کام کر رہی ہیں ان کو امریکہ اور یورپ کی طرف سے ملنے والی امداد کا معاملہ بھی سب کے سامنے ہے۔

سوال: مغرب ایک عرصے سے مسلمان ممالک کے معاشرتی اور خاندانی نظام کے درپے ہے۔ آزادی، خودارادیت اور خودمختاری کا نعرہ لگانے والا مغرب مسلمان ممالک کے معاشروں کو کیوں بدلنا چاہتا ہے؟

ڈاکٹر محمد عارف صدیقی: مغرب کے نزدیک سچائی وہ فکر ہے جو ان کے نظام کی برتری کو ثابت کرے۔ اگر وہ فکر و فلسفہ ان کے نظام کی برتری کو ثابت نہیں کرتا تو ان کے نزدیک وہ باطل ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے ہی بتائے ہوئے فلسفے سے کسی بھی وقت یوٹرن لے سکتے ہیں۔ اس کی ایک تازہ مثال غزہ کے معاملے میں ان کا طرز عمل ہے۔ آپ دیکھ لیں مغرب کی تمام انسانی حقوق اور حقوق نسواں کی تنظیمیں غزہ کے معاملے میں خاموش ہیں۔ یعنی جس حق خود ارادیت، حریت پسندی، انسانی حقوق کا وہ پرچار کر رہے تھے آج خود ہی اس کے منکر ہو گئے۔ اس لیے کہ غزہ کے معاملے میں حق بات کہنا خود ان کے نظام کی برتری کے لیے چیلنج تھا۔ مغرب ہماری معاشرت اور ہمارے طرز فکر کو کیوں بدلنا چاہتا ہے؟ اس کا سادہ سا جواب بھی یہی ہے کہ ہماری معاشرت، ہمارے

> **یہاں ابھی تو صرف ملک بینک کی بات ہو رہی ہے مغرب میں تو سپرم بینکس بھی ہوتے ہیں، کیا ہم مغرب کا وہی بدبودار نظام یہاں بھی رائج کرنا چاہ رہے ہیں؟**

طرز فکر اور ہماری تہذیب و روایات سے مغربی نظام کو خطرہ لاحق ہے۔ ہماری تہذیب کا عروج مغرب کا زوال ثابت ہوگا اور مغرب کی تہذیب کا عروج ہمارا زوال ثابت ہوگا۔ اس بات کو ہمیں سمجھ لینا چاہیے۔ اب آپ یہ دیکھیے کہ فرد اگر خاندان کے ساتھ جڑا ہوا ہے تو ایک مضبوط معاشرتی اکائی پیدا ہوتی ہے، یہ مضبوط اکائی مضبوط قوم پیدا کرتی ہے۔ مضبوط قوم مضبوط ملت پیدا کرتی ہے۔ لیکن جب آپ نے فرد کو خاندان سے توڑ دیا تو نتیجتاً آپ نے پورے کے پورے نظام کو توڑ دیا۔ اسی خطرے کی نشاندہی علامہ اقبال نے بھی کی تھی کہ ؎

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

اور اب مغرب ہمیں ہر سطح پر تنہا کرنا چاہتا ہے۔ کبھی وہ اپنے دہشت گردوں کے ذریعے ہماری مذہبی روایات پر سوال اُٹھاتا ہے، کبھی احکامات الٰہی کو مشتبہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ کبھی ہمارے رول ماڈلز کو متنازعہ بنانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ ہمارا پورے کا پورا معاشرہ انتشار کا شکار ہو جائے۔ اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس صورتحال سے بچنے کے لیے ہمارے تعلیمی اور تدریسی ادارے اپنا کردار ادا کرتے، ذہن سازی کرتے کیونکہ یہ قلب و نظر کی جنگ ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارے اکثر تعلیمی اور تدریسی ادارے بھی بین الاقوامی فنڈنگ پر چلتے ہیں لہٰذا وہ یقینی طور پر انہی کے مفادات کا خیال رکھیں گے۔ اسی طرح یہاں اسلام مخالف نظریات اور فیمنزم کی تحریکیں بھی نظر آرہی ہیں کیونکہ ان اداروں کی بھی باہر سے فنڈنگ ہو رہی ہے اور اس فنڈنگ کے نتیجہ میں ہماری اقدار کو کچل کر مغربی نظریات کو پروان چڑھانے کی کوشش جاری ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب یہ کوشش ثمرآور ہو رہی ہے کیونکہ ہماری حکومتیں اور ہمارے ادارے اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کر رہے۔ لہٰذا عوام کو خود اس سنگین مسئلہ کے حل کے لیے کھڑے ہونا ہوگا ورنہ پھر ’’تمہاری داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں۔‘‘

سوال: مسلم ممالک میں ہر طرف مغرب کو خوش کرنے کے لیے قانون سازی ہوتی دکھائی دے رہی ہے، ایسے اقدامات کسی جبر کے تحت کیے جاتے ہیں یا ان کے پیچھے دنیاوی خواہشات کا شیطانی جال ہے؟

ڈاکٹر محمد عارف صدیقی: میں کہنا چاہوں گا کہ یہ مسلم ممالک نہیں بلکہ مسلم اکثریتی عوام رکھنے والے ممالک ہیں کیونکہ ایسے ممالک میں عوام کی اکثریت تو مسلمان ہے مگر حکمران یا تو عبداللہ بن ابی کی معنوی پیداوار ہیں یا پھر وہ لارنس آف عریبیہ کا دوسرا، تیسرا یا چوتھا بہروپ ہیں۔ ہمارے جتنے بھی مسلم ممالک ہیں ان کے حکمرانوں کی اکثریت ہمارے اوپر بطور وائسرائے مسلط کی گئی ہے۔ جس طرح برطانوی وائسرائے ہم پر حکمران ہوتا تھا اسی طرح یہ لوگ ڈیپوٹیشن کے ذریعے ہم پر مسلط کیے جاتے ہیں اور طاغوت کی اطاعت کرتے ہیں۔ چند صدیاں قبل تک یہ رواج تھا کہ ایک طاقتور ملک کمزور ملک کے حکمران کے بیٹے یا بیٹی کو اپنے پاس بطور ضمانت گروی رکھتا تھا تاکہ کمزور ملک طاقتور ملک کے خلاف کسی قسم کی مہم جوئی کا حصہ نہ بنے۔ اب وقت بدلا تو طریقۂ واردات بھی بدل گیا۔ آج مسلم ممالک کی اشرافیہ کی اولادوں کو سکالرشپ کے نام پر بیرون ملک بلوایا جاتا ہے، انہیں مغربی اداروں میں تعلیم دی جاتی ہے، ان کی برین واشنگ کی جاتی ہے، پھر ان کے والدین انہیں ملنے آتے ہیں، ان کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوتا ہے، اس کے بعد انہیں نائٹ کلبوں اور کسینوز میں لے جایا جاتا ہے، ان کی راتوں کو فلم بند کیا جاتا ہے۔ اب یہ لوگ ان کے ہاتھوں بلیک میل بھی ہوتے ہیں، طاغوت کی چالوں میں چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے ان کے سہولت کار بھی بنتے ہیں۔ اسی طرح اپنی کرپشن کو، اپنی لوٹ مار کو اور اپنی غیر قانونی

حرکتوں کو چھپانے کے لیے کچھ لوگ ان کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہیں۔ یہ ڈیموکریسی کا شوشہ مسلم ممالک میں رائج ہی اس لیے کیا گیا تھا کہ اس کے ذریعے ان حکمرانوں کو بلیک میل کیا جائے۔ کبھی انہیں عوامی بغاوت سے ڈرایا جائے، کبھی انہیں جمہوریت یا جمہوری حقوق کی پاسداری نہ کرنے کے جرم میں عالمی سطح پر تنہا کرنے کی دھمکی دی جائے۔ اس طرح ان حکمرانوں کو استعمال کیا گیا۔ اب یہ طاغوت کے آلہ کار، غلام بھی بنتے ہیں اور ان کے لیے کام بھی کرتے ہیں۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ دنیا میں بھی ان کے یہ للّے تللّے نہیں رہیں گے اور ان کی آخرت بھی بگڑ جائے گی۔ ہم اتنی بری طرح جکڑے گئے ہیں، ہمارے معاشرتی اور خاندانی نظام اور ہماری تہذیب کو کچلنے کی کوشش ہو رہی ہے، ہماری مذہبی اقدار و روایات کو مٹایا جا رہا ہے، ہمارے اوپر غیر ملکی ذہنیت رکھنے والے حکمران مسلط کیے گئے، ہمارے ذہنوں کو شکوک سے آلودہ کیا گیا، ہمارے اثاثے لوٹ کر بیرون ملک شفٹ کیے گئے، ہمیں کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا گیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب ہم کیا کریں؟ سیدھی سی بات ہے کہ جب تک ہم نظامِ باطل کو چھوڑ کر نظامِ حق کی طرف نہیں لوٹیں گے اس وقت تک ذلت اور خواری ہمارا مقدر رہے گی۔ اسی نظام کی وجہ سے ہمیں سود کو قبول کرنا پڑتا ہے، اسی نظام کی وجہ سے ہمیں صلیبی افواج کی مدد کرنی پڑتی ہے، اسی نظام کی وجہ سے ہمیں طاغوتی، صلیبی اور صہیونی اداروں کی اطاعت کرنا پڑتی ہے۔ اگر ہم اپنے اصل کی طرف نہیں لوٹیں گے تو پھر ایسی ذلت و خواری ہمارا مقدر رہے گی۔ ہم سب کو انفرادی سطح پر اپنے اپنے گھروں میں بچوں کی نظریاتی تربیت کرنی چاہیے تاکہ دشمن کا یہ قلب و نظر پر وارنا کام ہو جائے۔

سوال: معاشرے میں شرم و حیا، عصمت و عفت اور رشتوں کے تقدس کو برقرار رکھنے کے لیے ہمارے علماء کرام، ہماری دینی جماعتیں اور ہمارے والدین کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟

خورشید انجم: وہ جو کہا گیا کہ ”تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں“ بے حیائی اور فحاشی کا ایک طوفان ہے جو اُمڈا چلا آ رہا ہے۔ اس طوفان کے آگے ہم نے خود ہی بند باندھنا ہے۔ اگرچہ سب سے بڑا کردار حکومت کا ہونا چاہیے لیکن ہماری حکومتیں اس قدر مجبور ہیں کہ خود طاغوت کی آلہ کار بن رہی ہیں۔ لہٰذا اب جو بھی کرنا ہے، ہم نے خود ہی کرنا ہے۔ سب سے زیادہ ذمہ داری والدین پر عائد ہوتی ہے۔ سب سے پہلے والدین خود اپنی زندگیوں میں ایمان اور تقویٰ پیدا کریں کیونکہ والدین کا جو کردار ہوگا وہی اولاد میں بھی منتقل ہوگا۔ اس کے بعد گھر کے اندر اللہ کے دین کو نافذ کریں، پردہ، چادر اور چار دیواری، حیا اور عفت کی پاسداری کا اہتمام گھر کی سطح پر ہو۔ بچوں کے لباس، ان کی مصروفیات و مشغولیات پر خاص طور پر نظر رکھی جائے کیونکہ یہی وہ مرحلہ ہوتا ہے جب ان کی شخصیت بننا شروع ہوتی ہے۔ گھروں میں واہیات قسم کے ڈرامے، فلمیں، کارٹون اور بے حیائی پر مبنی چیزیں دیکھنے کی نوبت نہ آئے۔ گھر کا ماحول بہتر ہوگا تو باہر کے بُرے اثرات زیادہ اثر نہیں کریں گے۔ ایک حدیث ہے: ”جب تم میں حیا نہ رہے تو جو چاہے کرو۔“

> **مسلم ممالک میں عوام کی اکثریت تو مسلمان ہے مگر حکمران یا تو عبداللہ بن ابی کی معنوی پیداوار ہیں یا پھر وہ لارنس آف عریبیہ کا دوسرا، تیسرا یا چوتھا بہروپ ہیں۔**

حیا ایک رکاوٹ ہے جو گناہ کے راستے میں حائل ہوتی ہے۔ جب حیا نہ رہے تو پھر بندہ ہر قسم کے گناہ اور برائی میں ملوث ہو سکتا ہے۔ والدین کے بعد دینی جماعتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے کارکنان کی بھی تربیت کریں اور پھر عوام الناس کی تربیت کا اہتمام بھی اس طور پر کریں کہ حیا کی ضرورت، اہمیت اور اس کے ثمرات کا احساس ان میں اُجاگر ہو۔ اسی طرح بے حیائی اور فحاشی کے نقصانات اور معاشرے پر اس کے اثرات سے بھی عوام الناس کو آگاہ کیا جائے۔ علماء کے پاس منبر و محراب کی صورت میں بہترین پلیٹ فارم موجود ہے جہاں سے وہ عوام الناس کی اس حوالے سے ذہن سازی کر سکتے ہیں۔ آج سے پچاس سال پہلے کا معاشرہ کیسا تھا اور اب کس حد تک بگڑ چکا ہے، مغربی تہذیب کے منفی اثرات کس تیزی سے پھیل رہے ہیں، عوام الناس میں اس احساس کو اجاگر کرنے کے لیے منبر و محراب بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

سوال: پاکستان میں ایک عرصہ سے دہشت گردی جاری ہے اور اس کی وجہ سے پاکستان کو بہت زیادہ جانی اور مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس کی روک تھام کے لیے ایپکس کمیٹی نے آپریشن عزم استحکام شروع کرنے کی منظوری دے دی ہے جبکہ اپوزیشن اس معاملے پر شدید مخالفت کر رہی ہے۔ صوبہ خیبر پختونخوا کے عوام بھی اس آپریشن کے حق میں نہیں ہیں۔ جبکہ حکومت اور ہمارے عسکری ادارے یہ آپریشن کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ کیا یہ آپریشن واقعتاً پاکستان میں استحکام کا موجب بن سکے گا؟

رضاء الحق: پہلی بات یہ ہے کہ یہ صرف حکومت اور اپوزیشن کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کو وسیع تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ پاکستان میں دہشت گردی اس وقت شروع ہوئی جب پرویز مشرف کے دور میں پاکستان نے امریکی جنگ کا باقاعدہ حصہ بن کر اپنے ہوائی اڈے، فضائی حدود اور زمینی راستے افغانستان کے خلاف استعمال کرنے کی اجازت دی۔ پھر شمالی علاقہ جات اور بلوچستان کے کچھ ایئر بیسز بھی امریکہ کے حوالے کر دیے جہاں سے امریکہ نے لوگوں پر بے دریغ ڈرون حملے اور بمباریاں کیں۔ خاص طور ڈمہ ڈولہ پر بمباری کر کے مدرسے کے بچوں کو شہید کیا گیا اور پھر ان کے جنازوں پر بھی بمباری کی گئی، پھر لال مسجد کا سانحہ ہوا۔ ان واقعات کے بعد دہشت گردی نے ملک میں جڑ پکڑ لی۔ دہشت گردی اپنی جگہ بہت بڑا جرم ہے مگر اس کو پروان چڑھنے کا موقع امریکہ نوازی نے فراہم کیا۔ جبکہ امریکہ، اسرائیل اور بھارت تو پاکستان کے ازلی دشمن ہیں۔ حالیہ دنوں میں ہی اسرائیل کے ایک سابق سفیر ڈینیل کارمن کا بیان سامنے آیا ہے کہ بھارت غزہ میں اسرائیل کی مدد اس لیے کر رہا ہے کیونکہ اسرائیل نے کارگل میں بھارت کی مدد کی تھی۔ یہ رپورٹس بھی سامنے آ چکی ہیں کہ کشمیر میں مسلمانوں کی نسل کشی میں بھی اسرائیل بھارت کی مدد کر رہا ہے۔ ابھی بلوچستان کے وزیر اعلیٰ نے بھی بیان دیا ہے کہ TTP اور BLA کے پیچھے بھارت ہے۔ پاکستان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہماری طرف سے بھی غلطیاں اور زیادتیاں ہوئی ہیں جس کی وجہ سے دہشت گردی کو فروغ ملا ہے۔ جب تک ایک Truth and Reconciliation کمیشن نہیں بنتا جس میں ہر کوئی اپنی کوتاہی تسلیم کرے اور اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کرے، اس وقت تک دہشت گردی ختم نہیں ہوگی۔ اس کا خاتمہ اس صورت میں ممکن ہے کہ مفاہمت کے ذریعے دہشت گرد عناصر کو تنہا کر دیا جائے۔ اس سے پہلے نیشنل ایکشن پلان بھی بنایا گیا اس میں بھی بہت ساری ایسی خامیاں تھیں جن کی نشاندہی مفتی منیب الرحمان صاحب نے اپنی تقریر میں کی تھی اور انہوں نے اسے مسترد کر دیا تھا۔ ان کا یہی کہنا تھا کہ ان خامیوں کی بناء پر نیشنل ایکشن پلان ملک میں انتشار کا باعث ہوگا۔

امریکہ اور اس کے اتحادی تو یہی چاہتے ہیں کہ پاکستان میں انتشار پیدا ہو۔ اس لیے حکومت کو سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیے۔ ٹھیک ہے جہاں انٹیلی جنس کی بنیاد پر آپریشن کی ضرورت پڑتی ہے وہ کریں لیکن فوجی آپریشن موجودہ حالات میں نقصان دہ ہوگا کیونکہ ضرب عضب اور ردالفساد جیسے آپریشنز کے منفی اثرات ابھی تک موجود ہیں۔لوگوں کے ذہنوں سے نفرتیں نہیں گئیں۔

سوال: ایک رائے یہ ہے کہ ماضی میں پاکستان میں جتنے بھی فوجی آپریشنز ہوئے ہیں یہ بڑی طاقتوں کے کہنے پر ہوئے ہیں اور ابھی جو عزم استحکام آپریشن لانچ کیا جارہا ہے اس کی تائید بھی امریکہ کی طرف سے آگئی ہے۔آپ کے خیال میں امریکی تائید میں کیے گئے آپریشنز وسیع تر ملکی مفاد میں ہوسکتے ہیں؟

خورشید انجم: جب سے ہم امریکہ کے فرنٹ لائن اتحادی بنے ہیں تب سے ہم نے صرف نقصان ہی اُٹھایا ہے، پرویز مشرف نے تو واضح طور پر اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اس نے فی کس پانچ ہزار ڈالرز کے عوض مسلمان بچوں اور بچیوں کو امریکہ کے ہاتھ فروخت کیا۔ڈاکٹر عافیہ صدیقی پرظلم بھی اسی کا نتیجہ تھا۔ایک موقع پر یہ بات آئی تھی کہ اگر پاکستانی وزیر اعظم امریکی صدر کو خط لکھ دیں تو ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی رہائی ممکن ہوسکتی ہے مگر ہمارے حکمرانوں نے اتنی ہمت نہیں کی کہ ایک خط ہی لکھ دیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ مشرف کا بینک بیلنس بڑھ گیا ہوگا، کچھ دیگر لوگوں نے بھی فوائد اٹھائے ہوں گے لیکن اجتماعی سطح پر ایسے آپریشنز کے جو نقصانات تھے ان کو قوم آج تک بھگت رہی ہے۔خاص طور پر خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں پنجاب اور فوج کے خلاف نفرت بڑھی ہے۔ بلوچستان میں تو شناختی کارڈ چیک کر کے پنجابیوں کو قتل کر دیا جاتا رہا۔یہ آپریشن کے منفی اثرات ہیں۔ بجائے اس کے آپ انٹیلی جنس آپریشن کریں، جو قصوروار ہے اس کو سزا دیں، بے گناہ عوام کو تو سزا نہ دیں، اس سے نفرتیں مزید بڑھیں گی کم نہیں ہوں گی۔آج تک خیبر پختونخوا میں وہ لوگ مکمل طور پر دوبارہ آباد نہیں ہوسکے جن کو آپریشنز کے نام پر ان کی بستیوں سے نکالا گیا تھا اور نہ ہی ان سے کیے گئے وعدے پورے ہوسکے۔ان کے گھر بھی تباہ ہو گئے، کھیت بھی تباہ ہو گئے۔آپ نے آپریشن کرنا ہے تو کچے میں کریں، جہاں ڈاکوؤں نے ریاست کے اندر اپنی ریاست قائم کر رکھی ہے، پورے ملک سے لوگوں کو اغواء کرتے ہیں اور قتل کر دیتے ہیں۔کیا کچے کا علاقہ ہماری ایجنسیوں اور اداروں کے کنٹرول میں نہیں ہے؟ حالانکہ وہ میدانی علاقہ ہے جبکہ آپ دشوار گزار پہاڑی علاقوں میں آپریشن کرنا چاہتے ہیں جہاں پہلے ہی غیر ملکی ایجنسیاں اپنے جال بچھائے بیٹھی ہیں۔سوچنے کی بات ہے کہ ہماری حکومت کیوں پاکستان کے دشمنوں کو موقع فراہم کرنا چاہتی ہے کہ وہ یہاں اپنا کھیل کھیلیں۔

سوال: پاکستان پہلے ہی سیاسی اور معاشی طور پر ایک خلفشار کا شکار ہے جبکہ بیرونی طور پر امریکہ اور بھارت بھی پاکستان پر نظریں گاڑھے ہوئے ہیں۔ان حالات میں کیا ہماری سیاسی اور دینی جماعتوں کو مل بیٹھ کر کوئی لائحہ عمل بنا کر اس پر آگے نہیں بڑھنا چاہیے؟

رضاء الحق: اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان ایک سکیورٹی سٹیٹ ہے، اندرونی طور پر بھی حالات خراب ہیں اور چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا ہے۔ ان حالات میں پاکستان کے لیے ایک مضبوط فوج ضروری ہے۔ دنیا کی سپر پاورز کے اپنے مفادات ہیں، ہمیں بھی اپنے ملکی مفاد کو دیکھنا چاہیے۔اگر ہمارے ہمسایہ ممالک سے اچھے تعلقات ہوں گے تو اس کے مثبت اثرات ہماری معیشت اور سیاست پر بھی پڑیں گے۔ پھر یہ کہ دہشت گردی بھی کنٹرول ہو سکے گی۔ بین الاقوامی سطح پر بھی فوائد حاصل ہوں گے۔لہٰذا سب سے بہتر حل یہ ہے کہ افغانستان سے مذاکرات کیے جائیں اور مل بیٹھ کر حالات کو معمول پر لایا جائے۔ مذاکرات کے ذریعے بہت سارے معاملات حل ہو سکتے ہیں۔آئرلینڈ اور برطانیہ کی مثال ہمارے سامنے ہے، پوری ایک صدی وہاں دہشت گردی بھی ہوتی رہی اور سرد جنگ بھی جاری رہی۔ آخر مذاکرات کے ذریعے اس مسئلہ کو حل کرلیا گیا۔ یہاں بھی حل نکل سکتا ہے مگر مسئلہ یہ ہے کہ ہم ایک بار مذاکرات شروع کرتے ہیں تو پھر یوٹرن لے لیتے ہیں، کئی دفعہ ایسا ہوا کہ افغانستان نے ٹی ٹی پی پاکستان اور پاکستان کے درمیان ثالثی کی پیش کش کی مگر ہم نے اس سے فائدہ نہیں اُٹھایا بلکہ افغانستان سے بھی تعلقات خراب کر لیے۔ پاکستان کو حقیقی معنوں میں استحکام کسی فوجی آپریشن کے ذریعے نہیں ملے گا بلکہ اگر ہم واقعی استحکام چاہتے تو ہمیں مذاکرات کی طرف آنا چاہیے اور اس سے بھی بڑھ کر ہمیں اپنی اصل کی طرف لوٹنا چاہیے۔ پاکستان اسلام کی بنیاد پر قائم ہوا تھا۔ اگر ہم یہاں اسلام کو نافذ کریں گے تو سارے اختلافات ختم ہوجائیں گے اور ہم دوبارہ ایک قوم بن جائیں گے اور بیرونی دنیا کے لیے بھی پاکستان روشنی کا ایک مینار ہوگا۔ جب تک ہم صحیح معنوں میں پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی ریاست نہیں بناتے تو ہمیں طالبانائزیشن کا بھی خطرہ رہے گا اور عدم استحکام اور انتشار کا بھی سامنا رہے گا۔ لہٰذا اصل کرنے کا کام یہ ہے کہ ہم اسلامائزیشن کی طرف بڑھیں، اس نظریہ کو نافذ کریں جس کی بنیاد پر پاکستان بنا تھا تو باقی تمام معاملات خود بخود درست ہوجائیں گے۔ان شاء اللہ

مسلمان بھی کیا ہیں ہم!

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

7 اکتوبر 2023ء کو 9 ماہ ہونے کو آئے ہیں۔ ہم سمجھتے تھے کہ دنیا ہمیشہ کی طرح چند شب و روز ہفتہ دو ہفتہ غزہ کی مظلومیت پر بیانات، قراردادیں داغ کر خاموش ہو جائے گی، اور بھی غم ہیں زمانے میں ''غزہ'' کے سوا! عالمی میڈیا، ہالی وڈ سلیبریٹیاں سیاست دھیان بٹالیں گی ہمیشہ کی طرح۔ امریکا، صہیونی زور آور عیسائی یہودی لابیاں ناکام کب ہوئیں۔ دنیا کی ہتھیلی کا پھپھولا تھا اسرائیل! جادو سر چڑھ کر سدا بولتا رہا، آخر 75 سال دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکی ہی تھی! مگر نہیں! دنیا بدل گئی ہے۔ ہفتہ بھر خبروں کی دنیا سے بوجوہ دور رہ کر جب عالمی منظر نامہ دیکھا تو فلسطین کے لیے پورے گلوب پر ہر رنگ و نسل کے افراد کو بدستور آتش زیر پا دیکھ کر دل بھر آیا۔ دعائیں ابل پڑیں۔ اللہ ان ذی شعور حساس روحوں کو ایمان سے مالا مال کر دے۔ ان کے جذبوں، ولولوں کو اعلیٰ ترین قبولیت سے نواز کر ملتِ اسلامیہ کو نئی کھیپ عطا فرمائے۔ دنیا میں عدل و انصاف اور حق کے لیے کھڑے ہونے والی امت ہمیں بنایا گیا تھا۔ (النساء، المائدۃ) مگر آج امریکا یورپ کے نوجوان فلسطین، قدس کے لیے ریاستی جبر و تشدد کے مقابل قوامین بالقسط دکھائی دے رہے ہیں! امت گونگے شیطانوں کی صورت ہے!

فتنۂ دجال میں نکلنے والے لشکروں کے حوالے سے ہم نے پڑھ رکھا تھا سیدنا ابوہریرہ ؓ سے روایت فرمانِ رسول ﷺ ''جب جنگیں ہوں گی تو اللہ تعالیٰ نو مسلموں کا ایک لشکر کھڑا کرے گا۔ ان کے گھوڑے عرب کے بہترین گھوڑے ہوں گے اور ان کا اسلحہ سب سے عمدہ ہوگا۔ (اور وہ ہتھیار چلانے میں انتہائی ماہر ہوں گے) اللہ ان کے ذریعے دین کی مدد کرے گا۔'' (سنن ابن ماجہ) نئی ابھرتی دنیا دیکھ لیجیے کھلی آنکھوں سے! ہم تو ابھی تک خوابِ غفلت سے غزہ بارے بیدار ہو نہ پائے۔ رمضان کے روزے، عمرے، حج، ابراہیم حنیف کی روح پرور پورے خانوادے کی داستانِ عظیم پر لبیک پکارتے قافلے، شرق تا غرب چلے۔ مگر قدس، فلسطین، خونچکاں غزہ نگاہوں سے یکسر اوجھل ہی رہا! ادھر ایک سابق برطانوی فوجی ہذیانی کیفیت لیے قابلِ رحم حالت میں بس پکارے چلا جا رہا ہے۔ غزہ میں بچے ہیں اور ان کے سر نہیں ہیں؟ میں کیسے یقین کروں کہ یہ میں نے خود دیکھا ہے۔ خدا را اٹھ کھڑے ہو۔ مسلسل جھوٹ بولا جا رہا ہے۔ بچے! بچے! بچے! یہ غضب ناک کر دینے والا عمل ہے، قابلِ نفرین ہے۔ ہم ناکام ہو رہے ہیں!

برطانوی 'جونی' تو پاگل ہو رہا ہے غم سے! ہم نہیں! ہم کیا کر رہے ہیں؟ ذرا دیکھیے تو! کافی عرصے سے ہمارے بڑے شہروں کے معروف چوراہوں، سڑکوں پر ایک نیا تماشا چل نکلا ہے۔ نوجوان چہرہ پینٹ کیے جستی دھاتی رنگ میں، ویسے ہی کپڑے پہنے بے حس و حرکت بے جان مبہوت بت بنے کھڑے ہیں گرد و پیش سے کلیتاً بے نیاز، بُت ہونے کی منجمد اداکاری کا شاہکار! کس لیے؟ یہ بھیک مانگنے کا معزز، مہذب طریقہ ہے! اداکاری سے متاثر ہو کر کوئی کچھ دے جائے! بھری قوی جوانی کے ہاتھ پیر پتھرا کر، پتھرائے احساسات کے ساتھ رزق کا یہ انوکھا انتظام! اصلاً تو یہ ایک فرد نہیں پوری پتھرائی قوم بلکہ ملت ہے۔ چہار جانب ہولناک مناظر پتھرائے ہوئے کی جیب میں موبائل پر رواں دواں چل رہے ہوں گے۔ جس پر بیٹھا ایک گورا، (جس کا اقصیٰ، فلسطین، مسلمانوں سے دور دور کوئی رشتہ نہیں!) ڈبڈبائی آنکھوں سے 355 کا عدد دہرا رہا ہو۔ (اپنی مذہبی کتب کا حوالے بھی دیتا ہے) مرکزِ گفتگو ایک ہی ہے، 6 سالہ فلسطینی بچی ہند کو 355 گولیوں سے بھون ڈالا؟ تکہ بوٹی کر دی؟ کیا تم اب بھی اسرائیل کے حق میں ہو جو سر تا سر سراپا بدی/ شر ہے! اسرائیلی قابض فوج، ٹینک اور 355 گولیاں! یہ کافر ہے مگر ہر بن مو سے زندگی اور ضمیر کی سچائی بول اٹھی ہے!

ادھر اسرائیل کی سب سے بڑی ہتھیاروں کی فرم Elbit کو فوجی سپلائی کے جرم میں ''فلسطین ایکشن'' کے کارکن ایک دفتر میں گھسے تہس نہس کر رہے ہیں۔ سب کچھ الٹ کر رکھتے ہوئے کہہ رہے ہیں: ہند رجب کی ماں (6 سالہ مقتولہ بچی) ہم نے تمہاری بیٹی کی چیخیں سنی تھیں! اسرائیل کو مسلح کرنا بند کرو۔۔۔۔ ابھی! ابھی! فوراً! ہم اس سب کو ختم کر کے رہیں گے۔ ایک ایک اینٹ اکھاڑیں گے! یہی نعرے لگاتے میڈن ہیڈ پولیس اسٹیشن (برطانیہ) میں گرفتار ہو کر جا پہنچے! ادھر امریکا بلکہ گلوبل ولیج کے صہیونی مرکز واشنگٹن ڈی سی میں اسرائیلی وزیر دفاع گیلانٹ، فلسطین نواز کارکنوں اور کوڈ پنک کے نرغے میں ہے۔ تمہارا مقام ہیگ ہے، تم جنگی مجرم ہو۔ انسانیت کے خلاف جرائم کے مرتکب جس نے بھوک کو بھی جنگی ہتھیار بنالیا۔ ہمارے ٹیکس ڈالروں پر چلتی سرزمین پر اسے بلانے کی جرات کیونکر کی؟ اس پر امریکی پولیس کو لعن طعن۔ بعد ازاں اس ہوٹل میں جا گھسے جہاں وزیر موجود تھا، فلسطینی جھنڈے اٹھائے۔ جنگی مجرم کی میزبانی کیونکر ممکن ہے؟ یہ قتلِ عام کا مرکزی کردار ہے۔ بس دیکھتے جائیے لامتناہی مناظر۔ اسپین نے دو بحری جہاز جو جنگی ساز و سامان لیے بھارت سے اسرائیل جا رہے تھے، اپنے پانیوں میں انہیں قدم رکھنے سے منع کر دیا۔ اسپینی وزیر خارجہ نے کہا: ہمارا یہ عہد ہے کہ ہم اس جنگ کا حصہ نہیں بنیں گے۔ اسپین کے انکار پر مراکش حکومت نے جہازوں کو اجازت دے دی۔ اس پر مراکشی عوام فلسطینی جھنڈے لہراتے، اپنی حکومت کو برا بھلا کہتے نکل آئے سڑکوں پر!

سینیگال میں بھی مظاہروں کے مناظر ابھر رہے۔ فلسطینی جھنڈے، بینر، نعرے! امریکا میں آزاد فلسطین کے داعی عیسائی، مذہبی جذبے سے حمدیہ نعتیہ مذہبی انداز میں ہم آواز 'فلسطین آزاد ہوگا'، 'روٹی بھیجو بم نہیں' اور آزاد فلسطین کے دوپٹے گلے میں لہراتے اپنے جذبات کا اظہار کر رہے ہیں۔ ہر خطہ زمین، ہر ذی حس گواہی ثبت کروا رہا ہے! اُدھر سر تا پا غموں دکھوں سے روندا بوڑھا فلسطینی کہہ رہا ہے۔ اتقوا اللہ فینا۔۔۔ ''ہمارے بارے میں اللہ سے

ڈرو!'' ساری دنیا ڈر رہی ہے۔ برطانوی، امریکی، اسپینی، جاپانی (جو اسرائیلی سیاحوں کے در پے ہیں!) سب کاروانِ رواں وعدہ الست کی پکار پر ضرب پڑتی محسوس کر کے اپنا احساس اس عالمگیر درد میں ڈال کر حق کی آواز قوی کر رہا ہے! ان مناظر سے منہ چھپانا، نظر چرانا ممکن ہی نہیں! دو سالہ تنہا بچہ بھوکا، غنودگی کمزوری سے کھلی بند آنکھوں میں کل جہاں کا درد بے چارگی لیے خالی برتن کے ساتھ بیٹھا ہے۔ ہر طرف برتن خالی ہیں!

ہمارے ہاں مضحکہ خیز ترقی کے مظاہر ملاحظہ ہوں! دودھ (ماں کا) کے بینک قائم کیے جانے کی شروعات ہونے کو تھیں! یہ خبر ملک بینک (Milk Bank) کا قیام اور اس پر شرعی جواز کی تلاش! آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ 1978ء کے لگ بھگ امریکا جا رہنا ہوا تو نہایت تکلیف دہ اور حیرت انگیز خبر ہمارے لیے یہی تھی کہ عیسائی یہودی عقیدے کے باوجود ایسے بینکوں کا وجود جو ڈیری فارم کی طرح رنگ برنگی ماؤں کا دودھ فراہم کر سکیں! ہم بھونچکے رہ گئے کہ رضاعت کیا ہوئی؟ یعنی پہلے ہی امریکی اپنا حسب نسب بدکاریوں کے ہاتھوں کھو چکے۔ باقی کسر رضاعت کے رشتے کی بے حرمتی، پامالی کے ہاتھوں پوری ہوگئی؟ حتیٰ کہ پھر ماں کے دودھ کی بنی چاکلیٹ کا بھی چرچا رہا! پناہ بخدا ---- ہم نے کبھی دیوانے خوابوں میں بھی نہ سوچا تھا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان، کلمہ لا الٰہ کی گھٹی والا، آئی ایم ایف اور عالمی ساہوکاروں کا دیا کھاتے، ان کے ایسے فرمائشی پروگراموں پر بھی فرمانبرداری دکھائے گا؟ فتاویٰ ملیں گے؟ ہمارے حالیہ قومی کردار کا نمائندہ وہ پتھرایا ہوا ''بت'' بنا کھڑا نوجوان ہے جو پیٹ کی خاطر اپنے گرد وپیش، عالمی مناظر کو پتھرائی نظروں سے دیکھتا صرف نوٹوں، سکوں کی پہچان رکھتا ہے۔ اسے داد دینے والے سراہنے نوٹ دینے والے اس کے ''فن'' کی قدر کرنے والے بھی موجود ہیں۔ ہمارا اسلام؟ اک نام رہ گیا ہے! مسلمان بھی کیا ہیں، ہم!

قرآنی حجتِ بالغہ اور حکمتِ بالغہ سے محروم من گھڑت فلسفوں کے سہارے، ظن وتخمین مال پیسے کے پیرو! اپنی تاریخ، جغرافیہ، اسلاف سے نابلد۔ مصنوعی ذہانت (AI) کے شاہکار! تعلیمی ادارے کیا ہیں؟ بت کدے، بت گر --- کہ ان کے واسطے تو کیا خودی کو ہلاک!

❁❁❁

سفید فام مہذب دنیا کا سیاہ بھیانک چہرہ

ڈاکٹر ضمیر اختر خان

22 جون 2024ء کو ایک مقامی اردو روزنامے میں شائع ہونے والی ایک خبر کے مطابق ٹیکساس (امریکہ) میں ایک مسلم خاتون کے کمسن بچوں کو ایک سفید فام امریکی خاتون نے سوئمنگ پول میں ڈبونے کی کوشش کی۔ غیر ملکی خبر رساں ادارے کے مطابق نقاب پوش خاتون کو دیکھ کر سفید فام خاتون پول میں کودی اور کمسن بچوں کو ڈبو دیا۔ مذہبی منافرت کا واقعہ فلسطینی امریکی خاتون اور اس کے بچوں کے ساتھ پیش آیا، افریقی مرد نے مسلم امریکی خاتون اور اس کے بچوں کو سفید فام خاتون سے بچایا۔ مسلم خاتون کا 6 برس کا بیٹا بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا جبکہ 3 برس کی بچی کو بمشکل بچایا گیا۔ مسلم خاتون نے بچوں کو بچانے کی کوشش کی تو سفید فام امریکی خاتون نے اس کا حجاب نوچ لیا اور اسے تشدد کا نشانہ بنایا۔ مسلم خاتون اور اس کے بچوں کو مارنے کی کوشش کرنے والی سفید فام عورت کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔ اس حوالے سے ٹیکساس کے رکن اسمبلی سلمان بھوجانی نے کہا ہے کہ نسل پرستی اور اسلاموفوبیا کے اس واقعے نے دل دہلا دیا ہے، متاثرہ خاندان کی ہر ممکن خدمت کے لیے تیار ہوں۔

متذکرہ بالا خبر پڑھ کر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی اسے صرف ایک خاتون کا انفرادی فعل قرار دینا چاہیے۔ ایسا آج کی دنیا میں ہر طرف ہو رہا ہے۔ 8 اکتوبر 2023ء سے اس کا آغاز ہوا اور اب جولائی 24ء شروع ہوگیا ہے۔ اسی مہذب دنیا، جس کا سرخیل امریکہ ہے، کی بھرپور مدد اور مسلسل تعاون سے فلسطین پر ناجائز طور پر قابض ایک قوم، جس نے ناجائز طریقے سے اسرائیل نامی ملک فرنگی استعمار کی مدد سے حاصل کیا تھا، غزہ کے نہتے مسلمانوں پر دن رات اس سے بھی زیادہ بھیانک مظالم ڈھا رہی ہے، جس کا ارتکاب ٹیکساس کی سفید فام عورت نے کیا ہے۔ اس قوم پر اللہ نے انبیاء علیہم السلام کی زبان سے لعنت کی تھی اور فلسطین پر اس کا ناجائز قبضہ اس کو مزید لعنتی بنانے کا سبب بنا ہے۔ اسی لیے اسرائیل نامی اس ملک کو بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے مغرب کا ناجائز بچہ "An illegitimate child of the West" کہا تھا۔ سفید فام عورت کی جس ظالمانہ حرکت کا اوپر ذکر ہوا وہ تو اس ملک کی شہری ہے، جس نے اس دور میں بے شمار ظلم کیے ہیں۔ عراق میں "Weapons of mass destruction" کی موجودگی کا جھوٹ بول کر یہ حملہ آور ہوا اور لاکھوں بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور بڑی ڈھٹائی سے اپنی ظالمانہ وسفاکانہ درندگی کو غلط فہمی کا نتیجہ قرار دیا۔ افغانستان اور دیگر ممالک میں اس نے جو مظالم ڈھائے وہ بھی سب کے سامنے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ دور حاضر کا یہ فرعون (امریکہ) جس کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے، پوری دنیا کو ڈبونے کی کوشش میں ہے۔ اس کے کسی شہری سے اس طرح کی حرکت غیر متوقع نہیں ہے۔ ہمیں اس سے کوئی گلہ شکوہ نہیں ہے کیونکہ ہمیں اللہ جل جلالہ نے اپنے مقدس کلام میں اور اپنے آخری نبی ﷺ کے توسط سے بتا دیا ہے کہ ہر دور کے نمارده وفراعنہ ایک ہی طرح کی نفسیات رکھتے ہیں۔ ان سے خیر کی توقع رکھنا عبث ہے۔ اسی لیے تو جناب موسیٰ علیہ السلام نے بہت سخت الفاظ میں ان کے خلاف بددعا کی تھی: ''اے ہمارے رب، تو نے فرعون اور اس کے سرداروں (Allies) کو دنیا کی زندگی میں زینت اور اموال سے نواز رکھا ہے۔ اے رب، کیا اس لیے ہے کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے بھٹکائیں؟ اے رب، ان کے مال غارت کر دے اور ان کے دلوں پر ایسی مہر کردے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔'' (سورۃ یونس: 88)

ہمیں اصل شکایت ان سے ہے جو فراعنہ وقت کے خوف سے اپنی ذمہ داری ادا نہیں کر رہے۔ ہمیں شکوہ ان سے ہے جو ان ظالموں کے ٹھاٹھ، شان وشوکت اور تہذیب وتمدن کی ظاہری خوش نمائی پر ریجھے ہوئے ہیں اور سوائے افغانستان کے سارے ہی چاہتے ہیں کہ انہی جیسے بن جائیں۔ ایسی صورت حال میں حماس کے مجاہدین کی مثال تو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ان نوجوانوں کی طرح لگتی ہے، جنہوں نے اس وقت ان کا ساتھ دیا تھا جب پوری

قوم نے فرعون کے خوف سے ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ آج ویسی ہی صورت حال ہے کہ صرف امریکہ کے ڈر وخوف سے 57 مسلمان ممالک میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو مظلوم فلسطینیوں کے حق میں زبان کھول سکے۔ آج کے 57 مسلمان ممالک کا رویہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کا تھا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان تو رکھتے تھے مگر فرعون کے خوف کی وجہ سے ان کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ مسلم دنیا کے حکمرانوں اور نام نہاد مقتدر طبقات پر مصلحت پرستی اور دنیوی اغراض کی بندگی اور عافیت کوشی اس طرح چھا رہی ہے کہ وہ حق کا ساتھ دینے کی بجائے مجرمانہ خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ کاش ہمارے حکمران اور بالخصوص مسلم افواج اس حقیقت کا ادراک کرتیں کہ یہ صرف فلسطینی قوم کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ امت مسلمہ کا اجتماعی معاملہ ہے اور اس کا تعلق ہمارے بنیادی نظریات سے ہے۔ آیئے تھوڑا سا جائزہ لیتے ہیں شاید کہ کچھ حقائق سمجھ میں آجائیں۔

نبی ﷺ کا سفر معراج مسجد اقصیٰ سے شروع ہوا تھا۔ اسی مقام پر آپ نے انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی، جو دراصل اعلان تھا کہ جملہ انبیاء کے امام اب عالمی امامت پر فائز کر دیئے گئے ہیں۔ یہ ارض جہاد ہے۔ مسیح علیہ السلام کا دوبارہ نزول یہیں ہونا ہے، اس کی بہت سی فضیلتیں آئی ہیں۔ یہ انبیاء کا مسکن و مدفن ہے، یہاں بہت سارے آثار ومقدسات ہیں، اس کی آزادی پوری امت پر فرض اور قرض ہے، یہ پوری امت کی امانت ہے۔ یہ مسئلہ صرف فلسطینیوں یا عربوں کا نہیں ہے فی الحقیقت اس کے دفاع اور اس کی آزادی وحفاظت کی ذمہ داری پوری دنیا میں بسنے والے مسلمانوں کی ہے۔ خواہ وہ کہیں بستے ہوں، اقلیت میں ہوں یا اکثریت میں، طاقتور ہوں یا کمزور، حاکم ہوں یا محکوم، چنانچہ ضروری ہے کہ پوری امت کو اس قضیہ سے جوڑا جائے، پوری امت میں اس کے لیے حساسیت پیدا کی جائے، کوئی کہیں ہو اور کسی حال میں ہو اور کسی بھی شعبۂ حیات میں مشغول ہو، ضروری ہے کہ وہ اس مسئلہ کو اپنا ذاتی مسئلہ سمجھے اور ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے غفلت نہ برتے، اس مسئلہ کی اہمیت وحساسیت کا یہ سب سے بنیادی تقاضا ہے۔ اہل اسلام اپنے تمام تر فقہی، مسلکی اور نظریاتی اختلاف کے باوجود اس پر متفق ہیں کہ القدس کی بڑی اہمیت ہے، اس کا دینی مقام ہے، اس کے دفاع اور اس کے سلسلے میں دینی غیرت کو سب واجب جانتے ہیں اس کے مقدسات کے تحفظ اور زیادتی کرنے والوں کو باز رکھنے کے وجوب پر سب کا اتفاق ہے۔

یہاں اس نکتے پر بھی غور کر لیا جائے کہ کیا وجہ ہے کہ اتنی تیزی سے عرب ممالک اسرائیل سے مصالحت کر رہے ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ امریکہ اسرائیل کے لیے اس طرح بچھا جا رہا ہے، وہ اس کا اس قدر استحکام کیوں چاہتا ہے؟ یہود و نصاریٰ کے درمیان شدید اختلافات، بلکہ مخالفت کے باوجود مسیحیت صہیونیت کی چاکری میں کیوں لگی ہوئی ہے؟ اس کا ایک ہی سبب سمجھ میں آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ عالم کفر کے امام امریکہ کو معلوم ہے کہ اسلام کا عادلانہ نظام اگر کہیں قائم ہو گیا تو وہ ہر طرح کے ظالمانہ نظام کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوگا۔ اس لیے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اسلام کے قیام و غلبے کی راہ مسدود کرنے میں لگا ہوا ہے۔ مگر ان شاء اللہ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔ کاش اس کا ادراک اہل اسلام کو ہو جائے۔

ہم تمام مسلم حکمرانوں اور مسلم افواج سے درخواست کرتے ہیں کہ خدارا سوچیں کہ اس نازک موقع پر فلسطینیوں کی مدد نہ کر کے جس بڑی کوتاہی کا وہ ارتکاب کر رہے ہیں، اس کی تلافی کیسے ہو سکے گی۔ مرنا سب نے ہے۔ آج کے حکمران، افواج کے سربراہان کل زیر زمین جانے والے ہیں اور یہ نہ بھولیے گا کہ کل قیامت کے دن رب کے سامنے کھڑا بھی ہونا ہے۔ اپنا محاسبہ کیجیے، اس سے قبل کہ بڑے محاسبے کا دن آ جائے۔ اس سے پہلے کہ فرعون وقت امریکہ سب مسلمانوں کو ویسے ہی ڈبونے کی کوشش کرے جیسے اس کی شہری خاتون نے فلسطینی مسلم خاتون کے بچوں کو ڈبونے کی کوشش کی۔ ہم سب کو فلسطین کا قرض اور فرض ادا کرنے کی کوششوں کا آغاز کرنا چاہیے۔ مہلت عمر ختم ہو گئی تو تلافی کا موقع نہیں ملے گا۔ اللہ توفیق دے۔

❀❀❀

قادیانیوں کی دعوت اور سادہ لوح مسلمان!

حضرت مولانا زاہد الراشدی

قادیانیوں کی دعوت اور سازشوں کا عمومی میدان دینی مدارس کے طلبہ اور مساجد کے نمازی نہیں ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ جس شخص کا دینی مدرسہ، مسجد، علماء کرام اور مذہبی جماعتوں سے تھوڑا سا تعلق بھی ہے وہ اُن کے دجل وفریب کا شکار نہیں ہوگا۔ جبکہ جو شخص دین سے اور دین کے علم و معلومات سے جس قدر دور ہوگا، وہ اُن کے فریب کا جلدی شکار ہوگا۔ اس لیے قادیانیوں کی محنت کا میدان مسجد و مدرسہ سے لاتعلق افراد وطبقات ہیں اور وہ لوگ ہیں جو دین کی معلومات سے بہرہ ور نہیں ہیں۔ جبکہ ہماری محنت کا میدان زیادہ تر ہمارا اپنا ماحول ہوتا ہے۔ اس ماحول میں بھی محنت کی ضرورت ہے کہ اس سے ایمان میں پختگی آتی ہے اور بیداری قائم رہتی ہے۔ لیکن اس محنت کا اصل میدان دین سے لاتعلق افراد وطبقات ہیں جن کی طرف ہماری توجہ بہت کم ہے۔ اس لیے ہمیں اپنی جدوجہد اور ترجیحات کا ازسرنو جائزہ لینا چاہیے۔

قادیانیوں کی محنت کا طریق کار بدل چکا ہے، وہ مناظرہ ومجادلہ کا محاذ چھوڑ کر لابنگ اور بریفنگ کے ہتھیاروں سے کام لے رہے ہیں۔ ان کے دلائل انسانی حقوق کے جدید فلسفہ اور آج کے بین الاقوامی قوانین وروایات پر مشتمل ہوتے ہیں اور وہ ان حوالوں سے لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے میڈیا کے مختلف شعبوں صحافت، ٹی وی چینل اور سوشل میڈیا میں اپنی کمین گاہیں قائم کر رکھی ہیں۔ اور انسانی حقوق کے بین الاقوامی اداروں اور سیکولر این جی اوز کو پناہ گاہ کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ وہ فائل ورک اور لابنگ کی ان صلاحیتوں کو خوب استعمال کر رہے ہیں جن کی طرف ہماری توجہ نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں اس صورت حال پر توجہ دینا ہوگی اور ان ہتھیاروں اور اسلوب میں مہارت حاصل کرنا ہوگی جو آج کے دور میں عام طور پر استعمال ہو رہے ہیں، اور جن کے بغیر کوئی جدوجہد آگے نہیں بڑھ سکتی۔ (بحوالہ روزنامہ اسلام، لاہور 6 جون 2015ء)

رجوع الی القرآن کورسز پارٹ I اور II کی اختتامی تقریب 2024ء

مرتب: مرتضیٰ احمد اعوان

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے تحت رجوع الی القرآن کورس پارٹ ون اور ٹو کی اختتامی تقریب 13 جون 2024ء کو قرآن اکیڈمی لاہور میں منعقد ہوئی جس کی صدارت صدر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور محترم ڈاکٹر عارف رشید نے کی۔ تقریب کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا۔ پارٹ ون کے سی آر حافظ محمد معز نے سورۃ التوبہ کی آیات 19 تا 22 کی تلاوت کی اور ترجمہ بیان کیا۔ پارٹ ٹو کے طالب علم ضیاء المصطفیٰ نے نعت رسول ﷺ پیش کی۔ کورسز کے کوآرڈی نیٹر محترم سجاد سندھو نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیے۔

استاد محترم حافظ مومن محمود نے ''تعلق مع القرآن'' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ انبیاء کرام ؊ کی دعوت کا مقصد لوگوں کو اللہ کے قریب کرنا ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو قرآن کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے قریب کیا۔ تاکہ لوگ علم اور عمل کے ذریعے ربانیین کے مقام تک پہنچ سکیں۔ ربانی کا مفہوم یہی ہے کہ انسان اپنے علم کو اپنے عمل کے ذریعے تقویت دے۔ جو لوگ تعلیم و تعلم قرآن کا کام کرتے ہیں ان کے اندر صفت ربانی پیدا ہونی چاہیے جو کہ مقصود ہے۔ اگر ان کے اندر یہ صفت پیدا نہیں ہو رہی تو ان کے لیے خطرے کی گھنٹی ہے۔ کیونکہ پھر ان کے پڑھنے پڑھانے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا نہیں ہے۔

کورسز کوآرڈی نیٹر محترم سجاد سندھو نے دونوں کورسز کی سمری پیش کی۔ انہوں نے کہا سال اوّل میں 100 طلبہ و طالبات نے داخلہ لیا جبکہ 60 کے قریب نے کورس کی تکمیل کی۔ استاد محترم مفتی سعد حسن اور مفتی ارسلان محمود نے پارٹ ون میں تجوید، حفظ اور فقہ العبادات، محترم ڈاکٹر رشید ارشد نے مطالعہ حدیث، احیاء العلوم، اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام، اقبالیات اور شمائل النبی ﷺ، محترم آصف حمید نے آیات قرآنی کی ترکیب (صرفی ونحوی)، اور محترم فیاض قیوم نے عربی گرائمر، محترم مومن محمود نے قرآن مجید کی مختلف سورتوں کی صرفی ونحوی تشریح، محترم محمود حماد نے منتخب نصاب (حصہ اول تا چہارم) اور سیرت النبی ﷺ (مدنی دور)، استاد محترم حافظ عاطف وحید نے اسلامی معاشیات، محترم احتشام علی نے قصص النبیین (اول) کی تدریس کی۔ اس دفعہ جامعہ اشرفیہ سے فارغ التحصیل محترم مولانا احسان نے عقیدہ ختم نبوت اور مسئلہ قادیانیت کی تدریس کی۔ استاد محترم ثاقب احمد نے ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافع کی کتاب ''صور من حیاۃ الصحابہ'' سے چنیدہ صحابہ اور صحابیات کے واقعات عربی ریڈر کے طور پر پڑھائے۔ صدر انجمن ڈاکٹر عارف رشید صاحب نے تعارف انجمن خدام القرآن، استاد محترم منعم اویس نے تعارف تنظیم اسلامی اور محترم ملک شیر افگن نے اسلام اور سیکولرازم کے موضوع پر لیکچر دیے۔ پارٹ ٹو میں 11 طلبہ نے داخلہ لیا تھا جبکہ 8 طلبہ نے کورس کی تکمیل کی۔ محترم ڈاکٹر رشید ارشد نے عقیدہ طحاویہ اور ریاض الصالحین، محترم مومن محمود نے تفسیر القرآن (اردو و عربی)، محترم مفتی ارسلان محمود نے فقہ المعاملات اور بینکاری سے متعلقہ مسائل واحکام اور محترم حامد سجاد نے عربی کا معلم (حصہ سوم وچہارم) کی تدریس کی۔ محترم احتشام علی نے قصص النبیین (حصہ سوم وچہارم) اور محترم مکرم محمود نے الاربعین فی اصول الدین کی تدریس کی۔

اس کے بعد طلبہ نے اپنے تاثرات پیش کیے۔

سال اول کے طالب علم ڈاکٹر نذیر انجم نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں جب میڈیکل کی تعلیم حاصل کر رہا تھا اس وقت سے مجھے فہم قرآن کا شوق تھا۔ قرآن اکیڈمی میں تمام مسالک کو عزت دی جاتی ہے جو اس ادارے کا خاص طرہ امتیاز ہے۔ اس ادارے کے بانی ڈاکٹر اسرار احمدؒ 2010ء میں وفات پا گئے تھے لیکن ان کا فکری علم دروس قرآن کی شکل میں آج بھی زندہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی خدمات کو ان کی صلبی ومعنوی اولاد نے آگے بڑھایا اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری وساری رہے گا۔ ان شاء اللہ!

سال دوم کے طالب علم محترم طارق یونس امریکہ سے تشریف لائے اور یہاں دوسالہ کورس مکمل کیا۔ انہوں نے اپنے تاثرات میں کہا کہ میں 1978ء سے امریکہ میں رہ رہا ہوں۔ وہاں پر مجھے ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے دروس قرآن سننے کا موقع ملا جس سے میرے اندر دینی تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ میں نے اپنے بچوں کو قرآن حفظ کرایا اور وہاں دو سکولوں میں قرآن کی تعلیم جاری کروائی۔ پھر میں نے اس کورس میں داخلہ لینے کا پروگرام بنایا تاکہ میں ایسا علم حاصل کروں جو مجھے قرآن سے قریب کرے، رسول ﷺ کی محبت میں اضافہ کرے اور میرے اندر تقویٰ پیدا کرے۔ چنانچہ میں نے اس کورس میں داخلہ لیا۔ الحمدللہ! میرے ساتھ میری اہلیہ نے بھی اس کورس کی تکمیل کی۔

سال دوم کے سی آر تقریب میں شریک نہیں ہو سکے لیکن انہوں نے اپنا پیغام بھیجا تھا جسے محمد حنیف صاحب نے پڑھ کر سنایا۔ انہوں نے اپنے پیغام میں کلاس انتظامیہ اور اساتذہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ہم دین سے دور تھے اور علماء کرام کی عقیدت ہمارے دلوں سے محو ہو چکی تھی لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ہماری ہدایت وراہنمائی کے لیے مشفق اساتذہ کو وسیلہ بنایا جنہوں نے ہمیں مولانا رومیؒ، امام غزالیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تعلیمات سے روشناس کرایا اور ہمارے دلوں میں اسلام اور علماء کرام کی محبت کو جاگزیں کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اساتذہ کرام کے علم وعمل میں مزید برکتوں کا نزول فرمائے۔

استاد محترم ڈاکٹر رشید ارشد نے تذکیر بالحدیث کے حوالے سے گفتگو کی۔ انہوں نے امام نوویؒ کی کتاب ریاض الصالحین کے آخری باب ''باب الاستغفار'' کا مختصر مطالعہ کرواتے ہوئے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کے اوراد واذکار کا سب سے بڑا حصہ استغفار پر مبنی ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سید الاستغفار کے بارے میں فرمایا کہ بندہ ایسے کہے:

((اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ. خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ. وَأَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ. أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ. أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ. وَأَبُوءُ لَكَ بِذَنْبِي، فَاغْفِرْ لِي، فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ))

''اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں۔ میں اپنی طاقت کے مطابق تجھ سے کیے ہوئے عہد اور وعدے پر قائم ہوں۔ میں اپنے کیے ہوئے اعمال کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ میں تیرے حضور تیری جانب سے ملنے والی نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں۔ ایسے ہی اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں۔ لہٰذا

میری مغفرت فرما، کیوں کہ تیرے سوا کوئی گناہوں کی مغفرت کرنے والا نہیں ہے۔‘‘
پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص صبح کے وقت یہ کلمات پورے یقین کے ساتھ پڑھ لے اور اسے شام سے پہلے موت آجائے تو وہ جنت والوں میں سے ہوگا۔ اور جو شام میں اسے یقین کے ساتھ پڑھ لے اور صبح سے پہلے موت آجائے تو وہ جنت والوں میں سے ہوگا۔ یقین سے مراد ہے کہ ایسا شخص بندگی کی صحیح پوزیشن پر کھڑا ہوا ہے۔ استغفار جہاں سے پھوٹتا ہے وہیں سے حیا بھی پھوٹتی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے حیا کرے اور گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے۔

صدر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور محترم ڈاکٹر عارف رشید نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ رجوع الی القرآن کورسز کا پورا ایک پس منظر ہے۔ والد محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے 1966ء میں تحریک رجوع الی القرآن کے تحت اسی شہر لاہور میں دروس قرآن کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ پھر 1972ء میں ان دروس کے نتیجے میں جو لوگ ڈاکٹر صاحب کے ساتھی بنے انہوں نے انجمن خدام القرآن کی بنیاد رکھی۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی پوری توانائیاں رجوع الی القرآن کے لیے وقف کر رکھی تھیں۔ چنانچہ 1982ء میں پہلے فیلوشپ سکیم کا اجراء کیا گیا اور پھر 1984ء میں باقاعدہ دو سالہ کورس شروع کیا گیا جو بعد میں ایک سالہ کر دیا گیا، جو اب تک چل رہا ہے۔ ’نصف صدی کا قصہ ہے‘ کے مصداق اس کورس کو تقریباً اب 42 سال ہو چکے ہیں۔ الحمدللہ! آپ لوگوں نے جو کورس مکمل کیا یہ خاموش ہو کر بیٹھنے کے لیے نہیں ہے بلکہ اب آپ نے اس کو آگے پھیلانا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کہا کرتے تھے کہ جو علم آپ نے حاصل کیا اگر آپ اسے دوسرے لوگوں تک نہیں پہنچائیں گے تو یہ علم آپ سے دور ہو جائے گا۔ اس لیے آپ لوگ ((خیر کم من تعلم القرآن و علمه)) کا مصداق بننے کی پوری کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

ناظم اعلیٰ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور محترم حافظ عاطف وحید نے اپنے اختتامی خطاب میں فرمایا کہ میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اس کورس میں داخلہ دینا بہت بڑی ذمہ داری ہے کیونکہ لوگ دور دراز علاقوں سے اپنا وقت، مال اور دنیوی ترقی کے مواقع چھوڑ کر یہاں تشریف لاتے ہیں اور یہ چیز ہمارے لیے ذمہ داری کے ایک بوجھ سے کم نہیں ہوتی۔ ان لوگوں کے نصب العین کو حاصل کرنے میں ہم ان کی مدد کرتے ہیں لیکن جب انسان اللہ کی خاطر کسی کام کا عزم کرتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ بھی اس کام میں اس کے لیے آسانی پیدا فرما دیتا ہے۔ میں اپنے اساتذہ کرام کا بہت ممنون اور احسان مند ہوں جو ایک مشن کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اساتذہ کے عزم اور لگن کی مجھ سمیت پورا ادارہ قدردان ہے۔ اس کورس کا اصل امتیاز دو چیزیں ہیں۔ ایک قرآن اکیڈمی جو ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی مساعی کا مرکز رہا اور دوسرا یہاں کی فیکلٹی۔ الحمدللہ! اس کے علاوہ جن لوگوں نے اس سسٹم کو چلانے میں معاونت کی ہے وہ بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ خاص طور پر پروفیسر حافظ قاسم رضوان صاحب جو ہاسٹل کے طلبہ کی اخلاقی تربیت کرنے میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔ آپ لوگوں سے یہی گزارش ہے کہ ہم سب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور ایک تعلق اور ربط قائم رکھیں۔ اگر آپ حلقہ دروس قرآنی، تنظیمی و تحریکی مشاغل سے وابستہ رہیں گے تو یہ علم بھی محفوظ رہے گا۔

صدر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور محترم ڈاکٹر عارف رشید نے طلبہ میں اسناد تقسیم کیں اور دعا کرائی۔ اختتام پر طلبہ کے لیے الوداعی دعوت طعام کا اہتمام بھی کیا گیا۔

رفقاء متوجہ ہوں — ان شاء اللہ

’’مسجد تقویٰ متصل پولیس چوکی گرین ٹاؤن، جمال پور روڈ، گجرات (حلقہ گوجرانوالہ)‘‘ میں

21 تا 27 جولائی 2024ء (بروز اتوار نمازِ عصر تا بروز ہفتہ نمازِ ظہر)

مبتدی وملتزم تربیتی کورس

کا انعقاد ہو رہا ہے۔

نوٹ: ملتزم تربیتی کورس میں درج ذیل موضوعات پر باہمی مذاکرہ ہوگا۔
گزارش ہے کہ دستیاب مواد کا مطالعہ کر کے تشریف لائیں:-

☆ اسلام کا انقلابی منشور ☆ جہاد فی سبیل اللہ

زیادہ سے زیادہ رفقاء متعلقہ کورس میں شریک ہوں۔

اور

26 تا 28 جولائی 2024ء (بروز جمعۃ المبارک نمازِ عصر تا بروز اتوار نمازِ ظہر)

امراء، نقباء ومعاونین تربیتی ومشاورتی اجتماع

کا انعقاد ہو رہا ہے۔

نوٹ: درج ذیل موضوع پر باہمی مذاکرہ ہوگا۔ ذمہ داران سے گزارش ہے کہ دستیاب مواد کا مطالعہ کر کے تشریف لائیں۔

☆ اسلام کا انقلابی منشور (سماجی سطح پر)

زیادہ سے زیادہ ذمہ داران پروگرام میں شریک ہوں۔

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 0334-4600937 / 053-3600937

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت: (042)35473375-78

انا للہ وانا الیہ راجعون — دعائے مغفرت

☆ حلقہ کراچی جنوبی کے ناظم نشر و اشاعت کمانڈر سرفراز احمد کی والدہ وفات پا گئیں۔
برائے تعزیت: 0308-2840494

☆ حلقہ پنجاب جنوبی، گل گشت کے نقیب فاروق احمد کی ممانی وفات پا گئیں۔
برائے تعزیت: 0321-6310029

☆ حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی، پشاور شہر کے رفیق محترم مفتی جمال حسن کے بھائی وفات پا گئے۔
برائے تعزیت: 0313-5991778

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ قارئین سے بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ
فِیْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

War on Gaza: Famine Threat Persists as Half a Million Starving

UN-backed report says hundreds of thousands of people go entire days and nights without eating as Israel tightens siege

A high risk of famine persists across the Gaza Strip as almost the entire population faces high levels of acute food insecurity or worse, including half a million suffering starvation, according to a global hunger monitor.

The report published by the Integrated Food Security Phase Classification (IPC) found that over 20 percent of Gaza's 2.2 million population households go entire days and nights without eating, amid the eight-month Israeli war and siege on Gaza.

More than half of Palestinian households have exchanged their clothes for money to buy food, while a third have had to pick up trash to sell, the UN-backed report added.

In March, the IPC warned that famine was imminent in Gaza, projecting it could happen by the end of May. Israel has for months imposed a tight siege on the Palestinian enclave blocking the delivery of basic life-saving food and medical items. Independent UN investigators say Israel is using starvation of the Palestinian population as a weapon of war as part of a policy that amounts to genocide and collective punishment of civilians. The situation has further deteriorated in recent weeks with residents saying severe Israeli restrictions are back, escalating the starvation crisis again.

Israel's ground invasion of Rafah, in southern Gaza, including its seizure of the Rafah crossing, has choked off the few routes into the enclave for humanitarian aid lorries. "The situation in Gaza remains catastrophic and there is a high and sustained risk of famine across the whole Gaza Strip," the report said.

It added that the "humanitarian space in the Gaza Strip continues to shrink and the ability to safely deliver assistance to populations is dwindling," warning that the "recent trajectory is negative and highly unstable".

According to the latest projections, the IPC report said 96 percent of Gaza's population face at least high levels of acute food insecurity through September. Of those, more than 495,000 face "an extreme lack of food, starvation, and exhaustion of coping capacities".

In addition to widespread Israeli destruction of homes, markets and civilian infrastructure, nearly 60 percent of Gaza's agricultural land has been destroyed or severely damaged, which has significantly impacted the food system, according to IPC.

The risk of disease outbreaks is increased by the "concentration of displaced populations into areas with significantly reduced water, sanitation, hygiene (WASH), health and other essential infrastructure," it added. Nearly 70 percent of hygiene facilities across Gaza were damaged or destroyed by the end of May.

According to the report, Gaza's health systems also face complete collapse in the coming months, increasing the "likelihood of an epidemic outbreak" and the possibility of a "catastrophe of unprecedented magnitude compared to the suffering already witnessed in Gaza since October".

The IPC considers sustained hostilities and displacement, as well as restricted humanitarian access over the past months, to be key drivers of the situation. "Only the cessation of hostilities in conjunction with sustained humanitarian access can reduce the risk of a famine."

Courtesy: ***Middle East Eye (https://www.middleeasteye.net)***

Vol: 33 Regd. No. C.P.L NO.114 No.26

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore